قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۲ شمارہ: ۴
ربیع الثانی: ۱۴۴۰ھ - جنوری: ۲۰۱۹ء
قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: +92-21-34919531
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

موجودہ ملکی صورت حال میں کرنے کا کام! — ۳ — محمد اعجاز مصطفیٰ

داعی کبیر کی رحلت — ۸ — 〃 〃 〃

مقالات ومضامین

فتح وشکست کے حقیقی اسباب! — ۱۲ — محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

مکاتیب علامہ کوثریؒ... بنام... علامہ بنوریؒ (قسط:۱۹) — ۱۵ — ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

محدث العصر حضرت بنوریؒ... اخلاص وادب کی اعلیٰ مثال — ۲۲ — بیان: حضرت مولانا شمس الرحمٰن العباسی

روایت پسند علماء اور مروجہ اسلامی بینک کاری

تحفظات اور دوری کے اسباب! — ۳۵ — مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

طہارت ونظافت: اسلام کا طرۂ امتیاز — ۴۵ — مفتی محمد عبداللہ قاسمی

ریاست مدینہ کیسی ہو......؟! — ۵۱ — مولانا سید عبدالوہاب شیرازی

یادِ رفتگاں

حضرت مولانا محمد جمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ — ۵۷ — محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

سرکاری زمین پر پرانی مساجد کا شرعی حکم! — ۵۹ — ادارہ

نقد ونظر

۶۱ — ادارہ

موجودہ ملکی صورت حال میں کرنے کا کام!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے اکابر کو وہ فراست، تدبر، دوراندیشی، معاملہ فہمی، ہمت، جرأت، استقلال اور استقامت عطا فرمائی تھی کہ ان کی نظیر ملنا دنیا میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ انہوں نے اپنی مستقل مزاجی، برداشت، صبر، تحمل، تقویٰ، اخلاص اور للّٰہیت کی بنا پر بظاہر فردِ واحد ہونے کے باوجود طوفانوں اور ہواؤں کے رُخ کو موڑا ہے، لیکن کبھی ہواؤں اور طوفانوں کے جھکڑ اور یلغار میں بہے نہیں۔ اس طائفہ منصورہ میں سے ایک ایک فرد نے وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو ایک جماعت یا ادارہ نہیں، بلکہ ایک ریاست تمام وسائل اور تمام مشینری بھی جھونک دے تو وہ کامیابیاں اور نتائج حاصل نہ کرسکے۔

یوں لگتا ہے کہ ہمارے اکابر کی بصیرت اور خداداد فراست کی بنا پر پورا منظر نامہ اُن کے سامنے تھا، جس میں مستقبل کے تمام مناظر ان کے سامنے آرہے ہیں اور وہ اُسے دیکھ دیکھ کر پوری انسانیت کو عموماً اور اُمتِ مسلمہ کو خصوصاً ان خطرات سے آگاہ اور اس کے بچاؤ کی تدبیریں بتلا رہے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ انسانیت نے جب بھی ان کی باتوں پر اعتماد کیا، ان خطرات سے بچنے کے لیے ان کو راہنما بنایا اور ان کی اقتداء میں چلے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ صرف ان خطرات اور حوادثات سے انہیں بچایا، بلکہ کامیابیاں بھی ان کا مقدر بنیں اور جب جب انسانیت اور اُمتِ مسلمہ نے ان کی باتوں پر کان نہیں دھرے تو اس وقت نہ صرف انہیں ناکامیاں ہوئیں، بلکہ اپنا وجود برقرار رکھنا بھی ان کے لیے مشکل بنا دیا گیا۔

دور جانے کی ضرورت نہیں، صرف برصغیر پاک وہند کی تقسیم سے پہلے یہاں کے بادشاہوں، حکمرانوں اور شاہزادوں کی عیاشیوں اور خرمستیوں کی بنا پر انگریز عیار نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ پورا ملک ان سے چھین لیا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے یہ اعلان کر دیا: ''خلقت خدا کی، سلطنت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی کا۔'' لیکن آگے چل کر ان کے اطاعت گزار بادشاہوں کو صرف جلاوطن ہی نہیں کیا گیا، بلکہ ان کی گردنوں کو بھی اُڑا دیا گیا، یہ نتیجہ تھا ان کی غلامی قبول کرنے کا اور زمینی حقائق نہ دیکھنے کا۔

یہ حق اور سچ ہے کہ ایک عام آدمی غلطی کرے تو اس کا خمیازہ اور بھگتان صرف اسی فردِ واحد پر آتا ہے اور اگر کوئی حاکم یا عالم غلطی کرے تو اس کا نقصان اور تاوان صرف اسی کو نہیں، بلکہ پوری قوم کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ عیاشیاں، بدمعاشیاں اور غلامی کی بدادائیں تو صرف حکمرانوں کی تھیں، لیکن غلامی کا طوق پوری قوم کے گلے میں آ پڑا، اب اس غلامی سے اسے کون نکالے؟ کوئی زمین دار، ٹھیکیدار، جاگیردار، کوئی وڈیرا، پامل آنزاور کوئی انگلستان کی درس گاہوں سے سبق لے کر آنے والا آگے نہیں آ رہا، آگے آ رہا ہے تو ایک درویش، چٹائی پر بیٹھنے والا، قرآن وسنت کا علم رکھنے والا جسے دنیا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی اور مانتی ہے۔ آپؒ نے فتویٰ دیا: ''ہندوستان دارالحرب ہے، انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا حرام ہے، اپنے ملک کو ان سے آزاد کرانے کے لیے جہاد کرنا فرض ہے۔''

آج اگر ہندوستان اور پاکستان آزاد ہیں تو ان کی آزادی میں بنیادی پتھر یہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے۔ اس فتویٰ کی برکت تھی کہ ان کے مریدین اور مجاہدین نے جن کی قیادت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کر رہے تھے، ملک کے طول وعرض کا سفر طے کر کے اس فتویٰ پر عمل درآمد کرتے ہوئے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لیے بالاکوٹ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

بظاہر یہ قافلہ بکھر گیا، لیکن ان کی شہادت اور خون کی برکت نے پورے ملک میں آزادی کی لہر دوڑا دی، پھر اُنہیں کے خوشہ چین اور شاگرد ۱۸۵۷ء میں آزادیِ وطن کے لیے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں انگریز سے برسرِ پیکار ہوئے۔ انہیں تحاریک کی برکات ہیں کہ آج صرف برصغیر ہی نہیں، بلکہ برطانیہ جس کی سلطنت سے سورج غروب نہیں ہوتا تھا، آج وہ تمام ممالک اس سے آزاد ہو چکے ہیں اور برطانیہ سمٹ کر ایک جزیرہ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر غور کریں تو نظر آئے گا کہ ہمارے اکابر کی حکمت عملیوں کی بدولت انگریز کو برصغیر سے دُم دبا کر بھاگنا پڑا، ورنہ دوسرے قسم کے تمام لوگ تو ان کے حاشیہ بردار، کاسہ لیس، اور خوشامدی بن چکے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہمارے اکابر نے اپنا رُخ تعلیمی میدان کی طرف موڑا، کیونکہ انگریز نے مشرقی تعلیم اور مشرقی تہذیب سمیت سب کچھ تہہ و بالا کر دیا تھا، آج مسلمانوں میں جو گروہی، عصبی، علاقائی، لسانی، صوبائی اور فرقہ وارانہ تصادم موجود ہے، ان سب کی تخم ریزی انگریز ہی نے کی تھی، پورے ہندوستان کو عیسائیت میں دھکیلنے کے لیے اپنے عیسائی مبلغ مرد و زن پورے ملک میں پھیلا دیئے۔ مسلمانوں کو تقسیم کرنے کے لیے قادیانیت کا پودا کاشت کیا گیا، جو آج تک ان کی نمک حلالی اور مسلمانوں کی نمک حرامی کررہا ہے۔ مسلمانوں کو دین و ایمان سے دور کرنے کے لیے ان کا علمی ورثہ تباہ کردیا اور ان کو اپنی دینی تعلیمات سے ناآشنا رکھنے کے لیے لارڈ میکالے کا نصاب اور انگریزی کو اُن پر مسلط کیا، آج اسی کی نحوست ہے کہ اس نصاب کا خواندہ، اور ان کی زبان میں تعلیم پانے والا آج انہیں کے گن گاتا ہے، نہ اپنی مذہبی تعلیم کو سمجھتا ہے، نہ ہی اپنی مشرقی اور اسلامی تہذیب اور آزادی کو سمجھتا ہے، بس وہ انگریز اور مغرب کی غلامی پر قناعت کیے ہوئے، اپنی گردن میں ان کی ذہنی غلامی کا طوق ڈالے ہوئے فرحاں و شاداں اور اس کو اپنی کل کائنات سمجھے ہوئے ہے۔ علامہ اقبالؒ نے سچ کہا تھا کہ: ’’تعلیم سے تہذیب بدلتی ہے اور تہذیب کے بدل جانے سے مذہب بدل جاتا ہے۔‘‘ آج اس کے نتائجِ بد سامنے آرہے ہیں۔ ہم انگریزی کے مخالف نہیں، علم، علم ہوتا ہے، چاہے وہ کسی زبان میں ہو، لیکن اس کے پردے اور آڑ میں جو کچھ نوجوان نسل کے ذہنوں میں انڈیلا جارہا ہے، کوئی ذی ہوش اور عقل مند آدمی اس کو گوارا نہیں کرسکتا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ گویا ان تمام حالات و واقعات کو کھلی آنکھوں مشاہدہ کررہے تھے، انہوں نے اس کے تدارک کے لیے ایک مدرسہ کا قیام کیا جس کو دنیا آج دار العلوم دیوبند کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ اسی ادارہ اور مدرسہ کا انقلاب ہے کہ آج صرف برصغیر ہی نہیں، بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کا وجود اسی ادارہ کا مرہونِ منت اور فیضانِ نظر آتا ہے، اور یہ حقیقت ہے آپ تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کرکے سوچیں اور غور کریں، تو یہ بات آپ کو سورج کی روشنی سے زیادہ واضح اور کھلی ہوئی نظر آئے گی کہ آج کسی اسکول، کسی کالج اور کسی یونیورسٹی میں دینِ اسلام کی تعلیمات، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسرے اسلامی احکامات نہ پڑھائے جاتے ہیں اور نہ ہی سکھائے جاتے ہیں۔ اگر آج یہ مدارس، مساجد، خانقاہیں، دینی ادارے اور تبلیغ کے نام سے چلت پھرت نہ ہوتی تو دین اسلام کا وجود تو بہت پہلے اس خطہ سے ختم ہوگیا ہوتا، آج کوئی کلمہ اور نماز پڑھنے والا نہ ہوتا، جیسا کہ بہت سے ممالک اس پر شاہد ہیں کہ جہاں دینی مدارس نہ رہے، علماء نہ رہے، دین کی بات کرنے والے نہ رہے، آج وہاں کے مسلمان لادین اور ارتداد کا شکار ہوچکے ہیں۔

اسی دار العلوم کا فیض ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود

حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہندوستان اور دیوبند میں ہیں، لیکن ہندوستان کو آزادی دلانے کے لیے اپنے ایک شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تشکیل افغانستان کے لیے کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں تحریکِ ریشمی رومال برپا ہوتی ہے، جسے دیکھ کر انگریز پشیماں ہوا اور حضرت کو قید و بند کی صعوبتیں اُٹھانی پڑیں۔ اس کے علاوہ کئی اور شاگردوں کی بھی مختلف جہات کی طرف تشکیلیں فرمائیں۔

دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل جنہیں آج دنیا حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے جانتی ہے، جنہوں نے قرآن کی تفسیر، احادیث کی شروحات، فقہی مسائل اور تصوف کی تجدید سمیت ایک مسلمان کی دینی اور دنیوی ضروریات کے جتنے مسائل اور ضروریات پیش آسکتی ہیں، سب کی راہنمائی فرمائی، ایک ہزار سے زائد کتب کا علمی ذخیرہ چھوڑا، حتیٰ کہ تحریکِ پاکستان میں بھی آپ نے خود بھی شرکت فرمائی اور اپنے شاگردوں بھی کو اس کے لیے تیار کیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے اپنے شیخ و مربی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو اپناتے ہوئے مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی کو آگے بڑھایا اور آپ ہی کے دور میں انگریز ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اس ادارہ کا فیض تھا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے پوری زندگی درس وتدریس میں گزاردی اور انگریز کے خود کاشتہ پودا قادیانیت کو نیست و نابود کرنے کے لیے شاگردوں کی ایک کھیپ سمیت بذاتِ خود حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر نہ صرف بیعت کی، بلکہ ان کو امیرِ شریعت کا لقب بھی دیا، پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے زندگی بھر اپنے بیانات کے ذریعہ قادیانیت کو چاروں شانے چت کیا اور آپ کے شاگردوں نے تحریری اور عملی میدان میں اتنا علمی ذخیرہ اور واضح راستہ متعین کر دیا کہ آج ہر جہت سے قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لیے علمی مواد اور واضح عملی میدان موجود ہے۔

حضرت انور شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی مجلسِ بیعت میں پانچویں نمبر پر حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بیعت کرنے والے محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ ہیں اور آگے چل کر آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پانچویں امیر مقرر ہوئے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں جہاں قومی اسمبلی کے اندر حضرت مولانا مفتی محمود، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور آپ حضرات کے دوسرے رفقاء قادیانیت کے خلاف مقدمہ لڑ رہے تھے، تو باہر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے چلائی گئی تحریک میں تمام مسالک کے علمائے کرام اور عوام الناس کی قیادت وسیادت کر رہے تھے اور آپ ہی کی امارت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تھی۔

اسی طرح اسی دارالعلوم دیوبند کا ایک فیض یافتہ بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے القاء کیا کہ مسلمانوں کی عمومی دینی حالت جو کمزور ہوچکی ہے، اسے پھر سے پروان چڑھایا جائے، کیونکہ اس وقت ایسے مسلمان بھی تھے جو مردم شماری اور اپنے نام کے اعتبار سے مسلمان کہلاتے تھے، لیکن انہیں کلمہ تک نہیں آتا تھا، نماز پڑھنا نہیں آتی تھی، یا وہ نماز، روزہ وغیرہ سے دور تھے۔ ایک ایک بستی، ایک ایک قریہ اور ایک ایک گاؤں تک گئے اور اصول ایسا بنایا کہ اللہ کے راستے میں سہ روزہ، چلہ، چار مہینے اور سال کے لیے اپنا مال، اپنی جان اور اپنا وقت اس میں لگے، تب اس کے اثرات دوسروں پر پڑیں گے۔ ایک بستی سے چلنے والا یہ کام آج تقریباً پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ اس تبلیغ کی چلت پھرت اور اس چلتے پھرتے مدرسہ سے ہزاروں نہیں لاکھوں فیض یاب ہوچکے ہیں اور اصول یہ بنایا کہ بلاتفریقِ مسلک ومشرب ہر ایک جو کلمہ پڑھنے والا ہے اس تک یہ دعوت پہنچ جائے۔ اور الحمد للہ! تبلیغ میں لگنے والے ہر بھائی کی یہی محنت اور کوشش ہے کہ ہم نے پوری دنیا کے لیے فکر کرنی ہے کہ ہر انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

موجودہ ملکی صورت حال میں کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد، افراد، جماعت اور پوری قوم کو آج اللہ تعالیٰ پر توکل، بڑوں پر اعتماد اور ان کے بتائے ہوئے نہج اور راستہ پر استقامت اور استقلال کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے متحد اور متفق ہونا چاہیے۔ خصوصاً علمائے کرام کو بلاتفریقِ مسلک ومذہب اور اپنی اپنی جماعتوں کی نمائندگی اور قیادت کرتے ہوئے سیاست کے میدان میں موجود اپنی قیادت اور سیادت پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے ان کے کندھے کے ساتھ کندھا ملاکر کھڑا ہونا چاہیے، اس سے ان شاء اللہ! ہم ملک، قوم، مساجد، مدارس، خانقاہوں، دینی اداروں اور ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدات کا تحفظ اور نگرانی کرسکیں گے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج بھی ہماری دینی وسیاسی قیادت دور اندیش، مدبر اور آنے والے حالات کا مکمل ادراک اور ان حالات سے نبرد آزما ہونے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور اپنی قیادت پر اعتماد کرتے ہوئے اغیار کی چالوں اور سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کریں، ورنہ ملک دشمن قوتیں اور ان کے آلۂ کار ہمیں سبز باغ دکھا کر اور اپنی عیارانہ چالوں میں پھنسا کر ہمارے ملک، ہماری قوم، ہماری سرحدات، دینی تعلیمات اور مشرقی و اسلامی تہذیب سب کچھ نیست و نابود کردیں گے اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلے گا، ولا فعل اللّٰہ ذٰلک۔

....

داعی کبیر کی رحلت

بانیِ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی برداللہ مضجعہٗ کے تربیت یافتہ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ و امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہما کے خلیفہ و مسترشد، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی و حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی نور اللہ مرقدہما کے رفیق کار و معتمد، مجلس احرار کے رضا کار اور تحریکِ ختم نبوت کے کارکن، پاکستان میں تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر، لاکھوں تبلیغی رفقاء کے مصلح، ہزاروں غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے والے، پوری دنیائے انسانیت کے لیے دردِ دل رکھنے اور تڑپنے والے حضرت بھائی عبدالوہاب صاحب اس دنیا فانی کے ۹۶ برس گزار کر ۹ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸ نومبر ۲۰۱۸ء بروز اتوار تہجد کے وقت داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے دارالبقاء کی طرف روانہ ہوگئے۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ماأعطٰی و کل شيء عندهٗ بأجل مسمّٰی۔**

آپؒ ۱۹۲۲ء کے آخر میں متحدہ ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کے ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا تعلق راجپوتوں کی ذیلی ذات (رنگڑ، رانگڑ) سے تھا۔ انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے گریجویشن کی، جس کے بعد وہ انگریز سرکار میں تحصیل دار بھرتی ہوگئے۔ تقسیم ہند کے بعد نوکری چھوڑی، اسلام کے نام پر بننے والے پاکستان کی طرف ہجرت اور چک ۳۳۱ ای بی (ٹوپیاں والا) بورے والا ضلع وہاڑی منتقل ہوئے اور یہیں سے تبلیغی جماعت میں شامل ہوئے۔ اللہ سے توکل کا ایسا پختہ یقین اپنے دل میں جگایا کہ اس کی روشنی سے دنیا بھر میں کروڑوں دلوں نے تسکین پائی۔ آپ کے ہاتھوں جلائے ہوئے دیئے دنیا بھر میں اسلام کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ آپ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ان پہلے ۵ ساتھیوں میں بھی شامل تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کے دین کی تبلیغ کے لیے وقف کی اور اللہ کی محبت کا حق ادا کیا۔ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ جنہوں نے ۱۹۱۷ء میں تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی تھی اور اپنے انتقال ۱۹۴۴ء تک جماعت کے امیر رہے، بانی کے انتقال کے بعد مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ۱۹۶۵ء تک، ان کے بعد مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ ۱۹۹۵ء تک تبلیغی جماعت کے امیر رہے۔ پاکستان میں تبلیغی جماعت کی امارت کا جائزہ لیا جائے تو سب سے

پہلے امیر محمد شفیع قریشیؒ تھے جن کی ۱۹۷۱ء میں رحلت کے بعد حاجی محمد بشیرؒ صاحب پاکستان میں تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر مقرر ہوئے۔۱۹۹۲ء میں حاجی بشیرؒ کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت حاجی عبدالوہابؒ تبلیغی جماعت کے پاکستان میں امیر مقرر ہوئے، جس کے بعد انہوں نے جس لگن اور شوق سے تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اپنی زندگی کے ۷۵ سال انہوں نے ایک ہی ادارے اور ایک ہی مقصد پر صرف کیے اور اپنے عملی کردار سے بہترین نتائج حاصل کیے جو بہت کم کسی کے حصے میں آئے۔

جناب بھائی حاجی عبدالوہاب صاحبؒ گزشتہ کئی سالوں سے علیل تھے اور گاہے بگاہے ان کے مختلف آپریشنز ہوتے رہتے تھے، ان کی عمر ۹۶ سال تھی اور وہ گزشتہ کئی روز سے وینٹی لیٹر پر تھے، جس کے باعث رواں سال کے تبلیغی اجتماع میں شرکت بھی نہیں کر سکے۔

راقم الحروف کی حضرت حاجی صاحبؒ سے دوبار تفصیلی ملاقات ہوئی، پہلی ملاقات کا تھوڑا سا احوال یہاں ذکر کروں گا۔ ۸ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۹ جون ۲۰۱۲ء بروز جمعہ بعد نمازِ عصر دوستوں کی معیت میں رائیونڈ مرکز پہنچا۔ سب سے پہلے علماء کرام کے بیان میں گیا، جو کہ روز نمازِ عصر کے بعد ہوا کرتا ہے اور اُس دن حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحب بیان فرما رہے تھے، بیان کے بعد ان سے ملاقات ہوئی، حضرت نے انتہائی شفقت کا معاملہ فرمایا، بعد ازاں حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کے بیٹے مولانا صاحبزادہ عبیداللہ خورشید صاحب سے ملاقات ہوئی، پھر نمازِ مغرب کا وقت ہوگیا۔ مغرب کی نماز مرکز میں پڑھنے کے بعد دعوت وتبلیغ پاکستان کے امیر حضرت الحاج محمد عبدالوہاب دامت برکاتہم کے کمرے میں اُن کے پاس حاضری ہوئی۔ کراچی کے تبلیغی بزرگ جناب ڈاکٹر نوشاد صاحب ہمراہ تھے، انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے راقم الحروف کا تعارف کرایا کہ یہ ختم نبوّت کراچی کے امیر، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کی جگہ ذمہ داری نبھار ہے ہیں، یہ بات سننا تھی کہ حضرت حاجی صاحب نے ۱۹۴۰ء سے لے کر ۲۰۱۲ء تک مجلسِ احرارِ اسلام، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، جمعیت علمائے اسلام اور دعوت وتبلیغ سے متعلق پرانی یادوں کو تازہ کر دیا۔

امیر شریعت حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مجاہدِ ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، قائدِ ملت حضرت مولانا مفتی محمودؒ، خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ، مجاہدِ تحریکِ آزادی مرزا غلام نبی جانبازؒ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن

لدھیانویؒ، حضرت مولانا تاج محمودؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے ایسے ایسے واقعات مع جزئیات کے سنائے، گویا یہ سارے بزرگ نگاہوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے، اُن واقعات سے اندازہ ہوا کہ حضرت حاجی صاحب‘ مولانا محمد الیاسؒ اور مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ جیؒ کے تو گویا عاشق ہیں، اس وقت ان کا انداز کچھ اس طرح تھا ’’اُن کے فلاں جلسے میں میں موجود تھا، فلاں موقع پر میں اُن کے ساتھ تھا، ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوّت میں شریک تھا، فلاں موقع پر انہوں نے یہ فرمایا، فلاں پر انہوں نے یہ فرمایا‘‘ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت حاجی صاحب کے دماغ کی اسکرین پر یہ تمام واقعات نقش ہیں۔ حاجی صاحب نے جن واقعات کا بطورِ خاص ذکر کیا، ان میں سے چند ایک عرض کرتا ہوں:

امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا ایک واقعہ سنایا کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا: بیعت نہیں کرتا، شاہ جیؒ نے خانقاہ میں دھرنا دے دیا اور صبح سے مغرب تک بیٹھے رہے، مغرب کے بعد حضرت رائے پوریؒ نے بلایا اور توبہ کرائی اور ساتھ ہی خلافت بھی دے دی اور فرمایا: ’’اب لوگوں کو توبہ کرایا کرو۔‘‘

فرمایا کہ: ختم نبوت کے ایک جلسے میں حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے تقریر فرمائی، وہ تقریر اِتنی جان دار اور جامع تھی کہ اُس کے بعد کسی تقریر کی ضرورت نہ تھی، لیکن اس کے بعد شاہ جیؒ کی تقریر طے تھی، مگر شاہ جیؒ نے تقریر نہ فرمائی اور فرمایا کہ: اس تقریر کا تأثر قائم رہنا چاہیے۔

حاجی صاحبؒ نے راقم الحروف سے پوچھا کہ: ’’شاہ جیؒ کی سوانح کس کس نے لکھی ہے؟‘‘ بندہ نے عرض کیا: ’’مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا سیّد محمد کفیل شاہ بخاری اور مولانا عبدالقیوم حقانی نے‘‘، پھر پوچھا کہ: ’’آپ کا دفتر پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ پر ہے؟‘‘ راقم نے عرض کیا: ’’جی ہاں!‘‘ پھر پوچھا: ’’وہاں سے رسالہ نکلتا ہے؟‘‘ عرض کیا کہ: ’’دفتر ختم نبوت کراچی سے ہفت روزہ ’’ختم نبوت‘‘ اور ملتان سے ماہنامہ ’’لولاک‘‘ نکلتا ہے۔‘‘ حاجی صاحب نے فرمایا: ’’لولاک تو فیصل آباد سے نکلتا تھا‘‘ راقم نے بتلایا کہ: ’’اب ملتان سے نکلتا ہے۔‘‘

پھر حاجی صاحب نے فرمایا کہ: ’’لندن میں جو ختم نبوت کا دفتر ہے میں وہاں گیا تھا، اِس دفعہ کی برطانیہ کی ختم نبوت کانفرنس ہوگئی؟‘‘ بندہ نے عرض کیا کہ: ’’۲۴ر جون کو ہو چکی ہے۔‘‘ حاجی صاحب نے فرمایا: ’’اس کی کچھ کارگزاری سناؤ؟‘‘ بندہ نے جواب دیا کہ: ’’حضرت! میں خود نہیں گیا تھا، بلکہ حضرت

مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم امیر مرکزیہ، حضرت مولانا اللہ وسایا، حضرت مولانا مفتی خالد محمود اور دوسرے حضرات تشریف لے گئے تھے، ابھی میری مولانا اللہ وسایا صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی، اِس لیے مجھے علم نہیں ہے۔'' تو حاجی صاحب نے شفقت سے بندہ کے چہرہ پر ہلکی سی چپت لگائی، مفتی خالد محمود صاحب کا نام سنتے ہی حاجی صاحب نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' عرض کیا: ''مولانا عبدالمجید سکھرویؒ کے بیٹے ہیں۔'' ختم نبوت کی کانفرنس اور رسائل کے بارے میں پوچھنے سے اندازہ ہوا کہ حاجی صاحب کو بھی ختم نبوت کے کام کی فکر لگی رہتی ہے اور پروگراموں اور کانفرنسوں کی کارگزاری معلوم فرمایا کرتے ہیں۔

بہر حال حضرت حاجی صاحب نے کئی ایک واقعات سنائے اور یہ ملاقات دو گھنٹے کے طویل وقت پر محیط رہی، حضرت حاجی صاحب اپنی دعوتی وتبلیغی مصروفیات کے باعث کسی کو اتنا زیادہ وقت نہیں دے پاتے، لیکن راقم الحروف کی خوش قسمتی کہ آپ نے بہت ہی محبت وشفقت فرمائی۔

گزشتہ سال بادشاہی مسجد لاہور میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے سلسلہ میں جب لاہور گئے تو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا سعید خان اسکندر، حضرت مولانا مفتی محمد بن جمیل کے ہمراہ بھائی عبدالوہابؒ کی عیادت کے سلسلہ میں رائیونڈ مرکز گئے۔ آپ بڑی محبت سے حضرت ڈاکٹر صاحب اور دوسرے رفقاء کو ملے، آپ نے کئی باتیں ارشاد فرمائیں، من جملہ ان میں ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ: کچھ عرصہ سے ہمارے بعض اہل مدارس اور علمائے کرام مختلف عنوانات سے جدیدیت کی طرف بہہ رہے ہیں، وہ ہر مسئلہ اور معاملہ میں حکومتوں اور مقتدر قوتوں کی ہاں میں ہاں ملانے کو اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں، ہمارے اکابر اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ہماری کامیابی اپنے اکابر پر اعتماد اور ان کے متعین کردہ راستوں پر چلنے میں ہے۔ آخر میں بہت زیادہ دعاؤں سے نوازا اور ہمیں رخصت کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت حاجی صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے مشن پر گامزن حضرات کو ان کے نقشِ پا کی پیروی نصیب فرمائے، آمین۔

وصلّى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

فتح وشکست کے حقیقی اسباب!

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت وربوبیت آسمان سے لے کر زمین تک تمام کائنات پر محیط ہے، اس عالم کون وفساد کا کوئی ذرہ نہ اس کی قدرت سے خارج ہے، نہ اس ربوبیت سے بے نیاز، قوموں کا عروج وزوال، ترقی وبربادی، فتح وشکست اور کامیابی وناکامی بھی براہِ راست مشیتِ خداوندی کے تحت داخل ہے۔ الغرض حق تعالیٰ کا غیرمرئی نظامِ قدرت ونظام ربوبیت عالم کے ہر ہر جزء میں جاری وساری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں اسباب ومسببات کا ایک ظاہری سلسلہ جاری فرمادیا ہے، لیکن اسباب ومسببات کا خالق ومالک بھی وہی ہے اور اقتدار وتصرف بھی اسی قادرِمطلق کے قبضۂ قدرت میں ہے، پھر جس طرح اس عالم میں ظاہری اسباب کا سلسلہ جاری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کارخانۂ قدرت میں اسباب سے بالاتر بھی ایک مخفی نظام کارفرما ہے۔

ظاہری اسباب بھی اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں، جبکہ حق تعالیٰ شانہ کی حکمت ومشیت کا تقاضا ہو، ورنہ اسباب وتدابیر کا تمام کارخانہ بے کار اور معطل ہوکر رہ جاتا ہے، فتح ونصرت کے لیے جس طرح ظاہری اسباب موثر ہیں اس سے کہیں زیادہ باطنی اسباب اور غیبی نظام کی تاثیر فیصلہ کن ہوتی ہے۔

شرقِ اوسط کے دردانگیز حالات پر جہاں تک غور کیا، یہی سانحہ ہوا کہ ظاہری ومادی اسباب ایسے نہ تھے کہ ایسی حیرت ناک اور ذلت آمیز شکست مسلمانوں کو ہوتی، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری بدعملیوں کی پاداش میں قدرت کا مخفی نظام حرکت میں آیا، مصری حکومت پر غلط فہمی اور غفلت طاری کردی گئی، یوں اس کا فوجی نظام تہ وبالا کردیا گیا اور سالہا سال کی جنگی تدبیروں اور دفاعی استحکام کو آن کی آن میں پیوندِ خاک کردیا گیا۔

’’إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ۔‘‘ (التوبۃ:۲۵)

درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانۂ عبرت ہے، تاکہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں، خدا فراموش زندگی سے توبہ کرلیں اور حق تعالیٰ سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ جوڑ لیں، یہ سانحہ کسی خاص ملک کے لیے نہیں، بلکہ مصر، شام، تیونس، الجزائر، حجاز اور کویت بلکہ تمام اسلامی ممالک سبھی کے لیے تازیانۂ عبرت تھا، جیسا کہ ’’بینات‘‘ کے سابقہ شمارے میں تفصیلی اشارے کیے گئے تھے، لیکن صدمے کی بات یہ ہے کہ اس عبرت انگیز شکست اور سبق آموز صورت حال سے جیسی عبرت ہونی چاہیے تھی، نہیں ہوئی، واللہ المستعان۔

ماضی کی ہلاک شدہ قوموں کی عبرت ناک تباہی کی داستانیں پڑھنے سے جو بنیادی بات آدمی محسوس کرتا ہے، وہ یہی ہے کہ ان کے دل ودماغ نشۂ غفلت سے اس قدر ماؤف ہو چکے تھے کہ ان پر عذاب آتا مگر انہیں یہ احساس بھی نہ ہوتا کہ یہ حق تعالیٰ کا عذاب ہے، بس یوں ہی اسباب کی طرف منسوب کرکے اپنی جگہ مطمئن ہو جاتے اور اگر کہیں اسباب کا کوئی سرا نہ ملتا تو ان حوادث کو بخت واتفاق کا کرشمہ قرار دے دیا: ’’قَدْ مَسَّ اٰبَاءَ نَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ ۔‘‘ غفلت، لاپروائی اور سنگ دلی کی یہی وہ خطرناک سرحد تھی جس سے گزرنے کے بعد ان کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا: ’’هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْتَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا.‘‘

موجودہ حسرت ناک اور دردناک صورت حال میں بھی یہی محسوس ہو رہا تھا، فتح وشکست کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ یہ سلسلہ تو ابتدا ہی سے چلا آرہا ہے، لیکن شکست کے اصلی اور حقیقی اسباب پر غور نہ کرنا قابلِ صد افسوس ہے، قرآن حکیم نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے، ارشاد ہے:

’’أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْمَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔‘‘ (التوبۃ:۱۲۶)

’’اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ انہیں آزمایا جاتا ہے ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ، پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ غور کرتے ہیں۔‘‘

’’وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ‘‘ نہایت ہی قابلِ غور ہے۔ نیز ارشاد ہے:

’’فَلَوْلَا إِذْجَاءَ هُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَاكَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ ۔'' (الانعام:۴۳) ①

''پھر وہ کیوں نہ گڑگڑائے جب ان پر ہمارا عذاب آیا تھا، لیکن ان کے دل سخت ہوگئے اور اچھا کر دکھلایا ان کو شیطان نے جو کچھ وہ پہلے سے کر رہے تھے۔''

نیز ارشاد ہے:

''وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ .'' (المومنون:۷۶)

''اور یقیناً ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تھا پھر نہ تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ وہ گڑگڑاتے ہیں۔''

اسی قسم کی آیات سے واضح ہے کہ حوادث سے عبرت نہ پکڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا نہایت خطرناک حالت ہے۔

---

①..... کتنا عجیب نقشہ ہے جو قرآن حکیم نے ''در حدیثِ دیگراں'' خود ہماری صورت حال کا کھینچ کر رکھ دیا، جنگ سے ذرا پہلے ہمارے یہاں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ہماری ترقی کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ یہی مذہبیت، رجعت اور ملائیت ہے، اسے ختم کرکے اسلامی اشتراکیت اور اسلامی سوشلزم کو لانا چاہیے، مصر غریب جس کی اشتراکیت پسندی اور تجدد پرستی کے حوالے یہاں بار بار دیے جاتے تھے، سب نے دیکھا کہ وہ ''عِبَادًا لَنَا أُولِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ'' کی تاب چار دن بھی نہیں لا سکا، لیکن ہمارے فکر و نظر میں اب بھی تبدیلی نہیں ہوئی، ہمارے مفکرین کا رُخ اب بھی مذہب کش اشتراکیت ہی کی طرف ہے، اُمت کے عمومی فسادِ مزاج کی انتہاء یہ ہے کہ سقوطِ بیت المقدس کے بعد بھی سینماؤں میں سیرۃ النبیؐ کے اجلاس منعقد کیے جاتے ہیں اور عربوں کے نقصانات کی تلافی کے لیے عرب عورتوں کے مینا بازار جیسے شرمناک اور حیا سوز مناظر کا اہتمام کیا جاتا ہے: ''وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْءً فَلَامَرَدَّ لَهٗ .'' نظریں اس طرف تو سبھی کی جاتی ہیں کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئے تھے، اس لیے انہیں شکست ہوئی اور ایک معاصر نے تو یہاں تک مشورہ دے ڈالا کہ پاکستان میں مسجدوں پر جتنے ٹکے مسلمان برباد کررہے ہیں، وہ سب سائنسی ترقی اور فوجی استحکام پر خرچ کیے جانے چاہئیں، لیکن اس طرف کسی کی نظر نہیں جاتی کہ یہ اُمت تعلق مع اللہ، ایمانی قوت اور خود اعتمادی کی دولت کھو بیٹھی ہے، اس لیے بیت المقدس سے اقوامِ متحدہ تک اس کی حیثیت گھاس پھوس کی ہو کر رہ گئی ہے، جس کی نہ کوئی قیمت ہے، نہ کوئی وزن۔ (مدیر)

.....❀.....❀.....❀.....

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام ...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(اُنیسویں قسط)

﴿ مکتوب:...... ۳۴ ﴾

مولانا، استاذِ جلیل، سید محمد یوسف بنوری **حفظه الله ورعاه، وأدام انتفاع المسلمين بعلومه ومن مسعاه** (اللہ تعالیٰ آنجناب کی حفاظت فرمائے اور آپ کے علوم اور بابرکت مساعی سے مسلمانوں کو ہمیشہ مستفید فرمائے)

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد سلام! آپ کا والا نامہ موصول ہوا، مولانا عثمانی کی وفات کا مجھے بے حد افسوس ہوا، **إنا لله وإنا إليه راجعون، تغمده الله برضوانه** (اللہ تعالیٰ انہیں اپنے رضا کی چادر میں ڈھانپ لے)۔ میں نے ''**مجلة السلام**''کو (مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کا لکھا) مرثیہ اور (تاثراتی) مضمون بھیج دیا تھا، مجلّہ نے دو روز قبل دونوں شائع کردیے ہیں، [1] لیکن مذکورہ شمارہ تاحال نہیں دیکھ پایا، یہ شمارہ ان شاء اللہ! جلد ہی آپ کو ارسال کردوں گا، معلوم نہیں کہ انہوں نے (اشاعت میں) کوئی غلطی کی ہے یا نہیں۔ (میری رائے میں) آپ جیسی شخصیت کو کئی گنا نشاط کا نمونہ ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے آپ سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔

پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ نجیب (ایک کتب فروش) کو کتابیں بھیجنے سے بچیے، اس لیے مستقبل میں ان صاحب کے ساتھ آپ کے معاملات کی ذمہ داری مجھے قبول نہیں، ان حالات میں مناسب یہی ہے کہ آپ سامی خانجی کے ساتھ (اسی پتے پر جو پہلے آپ کو لکھ چکا ہوں) معاملہ کیجیے۔

بطورِ ہدیہ ''**مجمع الزوائد**'' اور دیگر مطلوبہ رسائل ڈاک کے حوالے کر دیے ہیں۔

ان دنوں میں ''**دائرۃ المعارف**'' (حیدرآباد دکن، انڈیا) کے مصحح علامہ عبدالرحمٰن یمانی (۲) کی کتاب ''**طليعة التنكيل بما فی تأنيب الكوثري من الأباطيل**'' محمد نصیف (۳) کے خرچ پر شائع ہوئی ہے، اور اس کے پسِ پشت باقی لشکر بھی معرکہ آرائی کے لیے مستعد ہے، میں نے اس کا استقبال کرتے ہوئے ''**الترحيب بنقد التأنيب**'' کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر اس نادان کے ساتھ بتکلف نادانی برتی ہے، (۴) اور چھپنے کے لیے چھاپہ خانے کو دے دیا ہے، غالباً تین اجزاء پر مشتمل ہوگا، چھپائی مکمل ہونے پر ان شاء اللہ! جلد ہی اللہ جل شانہ کی توفیق سے ارسال کردوں گا۔ مستقبل میں حالات کی رعایت رکھتے ہوئے ہی دوبارہ اس موضوع کی جانب لوٹنے یا نہ لوٹنے کا فیصلہ کروں گا۔ (۵)

القاب میں میانہ روی آپ کے اور میرے ذوق کے قریب تر ہے، اللہ سبحانہ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے۔ امید ہے کہ اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے، میری دعائیں تسلسل سے جاری ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی قبول فرمانے والا ہے۔

آپ کا بھائی: محمد زاہد کوثری

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴، قاہرہ

حواشی

۱: - یہ مرثیہ اور تاثراتی مضمون ''**مجلة السلام**'' (بابت شمارہ نمبر: ۱۴، انیسواں سال، بروز جمعہ بتاریخ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۵۰ء، ص: ۱۶-۱۷) میں بعنوان ''**كلمة عن فقيد الإسلام العلامة مولانا شبير أحمد العثماني، شيخ الإسلام فی الدولة العلية الباكستانية**'' شائع ہوا ہے۔

۲: - علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ معلّمی رحمۃ اللہ علیہ: علمِ حدیث ورجال کے ماہر، اور تحقیق وتصحیحِ کتب کا اشتغال رکھنے والے علماء میں سے تھے، ۱۳۱۳ھ میں اس جہانِ رنگ وبو میں آنکھ کھولی اور ۱۳۸۶ھ میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ دیکھیے: ''**الأعلام**'' زرکلیؒ (۳/۳۴۲)، ''**أعلام المكيين**'' عبداللہ معلّمی (۲/۹۰۰-۹۰۳) ''**الجواهر الحسان**'' زکریا بیلا (۲/۵۶۳-۵۶۶) اور ''**مدخل إلىٰ تاريخ نشر التراث العربي**'' محمود طناحی (ص: ۲۰۳-۲۰۵)۔

علامہ کوثریؒ نے ''**الترحيب بنقد التأنيب**'' کے مقدمہ میں موصوف کے لیے ''**العلامة المفضال المحقق**'' جیسے بلند پایہ کلمات تحریر کیے ہیں اور علامہ معلّمی نے بھی علامہ کوثریؒ کی وفات سے ایک ماہ قبل ہی ابن ابی حاتمؒ کی ''**تقدمة الجرح والتعديل**'' کے مقدمۂ تحقیق میں کتاب کے ایک مخطوطہ نسخے کے حصول کے حوالے سے علامہ کوثریؒ کے تعاون پر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اہلِ علم میں باہم احترام کا تعلق تھا، علامہ معلّمی کی ''**طليعة التنكيل**'' تو علامہ کوثریؒ کی زندگی میں چھپ چکی تھی، لیکن اصل کتاب ''**التنكيل بما فی تأنيب الكوثری من الأباطيل**'' علامہ کوثریؒ کی وفات

کے آٹھ برس بعد چھپی ہے، اس کتاب میں علامہ کوثریؒ کے متعلق ایسے ناشائستہ کلمات بھی درج ہیں جو علامہ معلّمی کے علمی وتحقیقی ذوق اور اخلاقی مزاج ومذاق سے کسی طور مناسبت نہیں رکھتے، اور خود شیخ معلّمی اس سے براءت کا اظہار کر چکے ہیں اور ان کے بقول جب انہوں نے اپنی یہ کتاب ہندوستان سے شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ کو بھیجی تھی تو انہوں نے ازخود اس مسودے میں تصرف کیا اور ایسے تند وتیز کلمات داخل کر دیئے۔ شیخ زکریا بیلا مکی نے ''الجواهر الحسان'' (۲/۵۶۴) میں اس حوالے سے کچھ تفصیل قلم بند کی ہے، نیز ''التنکیل'' کے مقدمہ میں خود علامہ معلّمی کی تحریر بھی ملاحظہ کیجیے۔

۳:- محمد بن حسین بن عمر نصیف: جدہ کے اصحابِ وجاہت اور دریادل اغنیاء میں سے تھے۔ سلفی دعوت کی نشر واشاعت میں ان کا مالی تعاون شامل رہا، ترکے میں ایک عظیم کتب خانہ چھوڑا، جو اَب ''جامعة الملك عبدالعزيز'' کا حصہ ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۹۱ھ میں انتقال ہوئے۔ دیکھیے: ''محمد نصيف حياته وآثاره'' محمد سید احمد وعبدہٗ علوی، ''الأعلام'' زرکلیؒ (۶/۱۰۷-۱۰۸) اور ''من أعلام الدعوة والحركات الإسلامية'' عبداللہ عقیل (۲/۱۰۷۵-۱۰۸۴)

۴:- ''طليعة التنكيل'' کے پہلے طبع میں بھی علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نازیبا کلمات تحریر کیے گئے تھے، علامہ کوثریؒ نے ''الترحيب'' میں بجا طور پر ناراضی کا اظہار کیا، اور اُنہیں یمانی اخلاق کے منافی قرار دیتے ہوئے کسی اور کا کارنامہ خیال کیا تھا، بعد میں علامہ معلّمی کی براءت سے معلوم ہوا کہ یہ استاذ محمد عبدالرزاق حمزہ کے تصرفات کا نتیجہ تھا، چنانچہ خود استاذ موصوف نے بھی اپنے رسالے ''حول ترحيب الكوثري'' (ص: ۳۷) میں اس کی صراحت کی ہے۔

۵:- التنکیل علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے آٹھ برس بعد سنہ ۱۳۷۹ھ میں طبع ہوئی ہے۔

مکتوب:...... ۳۵

مولانا، استاذِ جلیل، علامہ، محقق، سید محمد یوسف بنوری حفظه الله ورعاه

سلام الله ورحمته وبركاته عليكم

بعد سلام! یکے بعد دیگرے آپ کے دو گرامی نامے پہنچے، اس عنایت پر آپ کا شکر گزار ہوں، توقع ہے کہ اپنے والدِ جلیل القدر کو میرا سلام اور دست بوسی پہنچائیں گے اور جب کبھی انہیں (خط) لکھیں تو (میرے لیے) ان کی مبارک دعاؤں کا پیامِ امید (بھی لکھیں گے)۔ آنجناب سے بھی متمنی ہوں کہ مواقعِ قبولیت کی نیک دعاؤں میں مجھے فراموش نہ کیجیے گا اور خطوط ارسال کرنے کے حوالے سے کوتاہی میں مجھے معذور سمجھیے گا؛ اس لیے کہ بوڑھا ہو چلا ہوں، اب لکھتے ہوئے نظر ساتھ نہیں دیتی، بوقتِ مجبوری کچھ لکھتا ہوں، نیز میرے معمولی ہدایا کسی شکریہ کے مستحق نہیں۔

میرے پاس ''التحرير الوجيز''(۱) دست یاب ہوتی تو بیاض کی جگہ پُر کروا کر آپ کے جامعہ میں ''معاني الآثار'' کے استاذ مولانا عبدالرؤوف کو بھیجتا، سرِدست (ان کے لیے اجازتِ حدیث پر مشتمل) ایک صفحہ میں اسی مکتوب کے ساتھ لف ہے، مستقبل میں نسخے کے حصول میں کامیابی

ہوئی تو ان شاء اللہ! بیاض پُر کر کے ارسال کر دوں گا۔

کئی مہینوں سے استاذ مولانا ابوالوفاء کا میرے حوالے سے کوئی گرامی نامہ نہیں ملا، (میرے لیے) اتنا کافی ہے کہ آپ سب بعافیت ہیں، مولانا مفتی (مہدی حسن شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ) اور تمام احباب کے لیے ہر (نوع کی) توفیق وبھلائی کا متمنی اور ان کی مبارک دعاؤں کا امیدوار ہوں، آپ کے والا نامے سے ان کی صحت کا علم ہو جانا بھی کافی ہوگا۔

خواہش ہے کہ آپ ''التـرحيـب'' کا ایک نسخہ مولانا محمد موسیٰ میاں - اللہ ان کی حفاظت فرمائے اور انہیں علمی خدمت کی خاطر خیر وعافیت کے ساتھ طویل عمر عنایت فرمائے - کو بھیج دیں، میرے عزیز تر ومحترم بھائی! وعليكم السلام والرحمة والرضوان (دعا ہے کہ آپ سلامتی اور رحمتوں ورضائے ربانی کے سائے تلے رہیں)۔

مخلص: محمد زاہد کوثری

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۶۹ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴، قاہرہ

حاشیہ

۱:- یہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کا ثبت ہے، جو سنہ ۱۳۶۰ھ میں قاہرہ سے طبع ہوا تھا، اور بعد ازاں ۱۴۱۴ھ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت سے بیروت سے چھپا ہے، شیخ نے آخر میں علامہ کوثریؒ کے خط کے ساتھ کئی اجازات بھی منسلک کر دی ہیں اور اس ثبت کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ دیکھیے: ''**الإمام محمد زاهد الكوثري وإسهاماته في علم الرواية والإسناد**''، شیخ محمد آل رشید (ص: ۱۱۸-۱۲۴)

﴿ مکتوب: ...... ۳۶ ﴾

جناب مولانا، استاذ، علامہ سید محمد یوسف بنوری حفظه الله ورعاه

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد سلام! آنجناب کا مکتوبِ گرامی موصول ہوا، آپ کے احوال معلوم ہوئے اور آپ کی عافیت پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کیا، امید ہے جب بھی گرامی قدر والدِ محترم کو خط لکھیں گے تو مبارک ہاتھوں کی دست بوسی کے ساتھ میرا پرخلوص سلام بھی پہنچاتے رہیں گے۔ حضرات اساتذہ واحباب کو بھی میرا سلام پہنچایئے، خصوصاً ''معـانـي الآثـار'' کے استاذ (مولانا عبدالرؤوف) اور استاذِ محقق (مولانا) محمد عبدالحق نافع پشاوری کو (ضرور سلام کہیے)۔ ثانی الذکر کی جانب سے اجازتِ حدیث کا مطالبہ موصول ہوا ہے، لیکن ان کا پتہ درج نہیں، اس لیے انہیں براہِ راست لکھنا میرے لیے ممکن نہیں۔

اس سے قبل برادرم علامہ شیخِ ''معانی الآثار'' کی خواہش پر آپ کے خط کے ضمن میں (ان کے لیے) اجازتِ حدیث پر مشتمل صفحہ ارسال کر چکا ہوں؛ کیونکہ اس وقت (اپنے مطبوعہ ثبت) ''التحریر الوجیز'' کا نسخہ حاصل نہیں کر سکا تھا، پھر کچھ دوستوں کو اپنی کتابوں کی پوری کھوج کرید پر مامور کیا تو بکھری کتب سے (ثبت کے) دو نسخوں کے حصول میں کامیابی حاصل ہوئی، اب ان میں سے ایک کی بیاض کو شیخِ ''معانی الآثار'' کے نام سے پُر کر دیا ہے، آپ اپنے خوب صورت خط میں ان کے اسمِ گرامی کی جگہ پُر کر لیجیے گا اور دوسرا نسخہ استاذ پشاوری کے نام ہے، یہ دونوں نسخے بذریعہ ڈاک دو الگ پارسلوں میں بھیج چکا ہوں، شاید آپ تک پہنچنے میں تاخیر ہو، موصول ہونے پر ان دوستوں تک پہنچا دیجیے، آپ کا پیشگی شکریہ، اور ان کے پاس (میری) جو کتب نہ ہوں تو ان دو پارسلوں میں بھیجے گئے رسائل میں سے اُنہیں دے دیجیے۔

اساتذہ جلیل القدر مولانا مفتی (مہدی حسن) ومولانا ابوالوفاء کو میرا سلام، اور آپ سب سے توقع ہے کہ مجھے اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولیں گے، (خطوط کے) جواب میں تاخیر پر مواخذہ نہ کیجیے؛ اس لیے کہ اب میری (کمزور) بینائی حسبِ منشأ بحث وتحقیق اور کچھ لکھنے کی اجازت نہیں دیتی، بہرکیف اول وآخر (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کا شکرگزار رہوں اور اپنی صحت کے متعلق اس سے زیادہ کچھ کہنا مجھے پسند نہیں، حسنِ خاتمہ کی دعا کا متمنی ہوں۔

مخلص: محمد زاہد کوثری

۶ شعبان سنہ ۱۳۶۸ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴ قاہرہ

﴿ مکتوب:...... ۳۷ ﴾

جناب مولانا، علامہ، برادرِ مخلص، سید محمد یوسف بنوری حفظه الله ووفقنا وإياه لما فيه رضاه

(اللہ تعالیٰ آنجناب کی حفاظت فرمائے اور ہمیں اور آپ کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے)

وعليكم سلام الله ورحمته وبركاته

بعد سلام! آنجناب کی طرف سے عمدہ اسلوبِ بیان - جس کا آپ نے ہمیں اب عادی کر دیا ہے - پر مشتمل دو گرامی نامے موصول ہوئے، راہِ علم میں جہدِ پیہم اور صبرِ مسلسل پر اللہ تعالیٰ آپ کو پورا اجر مرحمت فرمائے، لیکن کسی قدر عتاب کا اظہار ہو تو مجھے معاف کیجیے۔ مجھے آنجناب کے سلسلۂ کلام میں فکری اضطراب محسوس ہوا، آپ تو بحرِ بیکراں ہیں، لازم تھا کہ رکاوٹیں آپ کو قلبی تکدر میں مبتلا ہی نہ

کرسکتیں، آپ کے پاس وہ عزم وہمت ہے جو مضبوطی سے گڑے پہاڑوں کو جڑ سے اُکھیڑ دے۔ میری نگاہ میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ - اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضامندی کی چادر میں ڈھانپ لے- کے روشن کیے ہوئے چمکتے دمکتے نور کے بجھنے کا سبب بننے کی کوئی گنجائش نہیں، نامعلوم ان نئے بنیاد ڈالے ہوئے (مدارس و) معاہد کے کیا احوال ہیں؟! میری رائے ہے کہ آپ اس معاملے پر اطمینان سے غور وفکر کیجیے، اور جو کہنا ضروری ہو تو مولانا میاں سے واشگاف انداز میں کہہ دیجیے؛ کیونکہ وہی جامعہ ڈابھیل کے اُمور کی طے شدگی کا سبب ہیں، اور ہمارے وہاں کے احباب کو آپ کا دامن تھامنے کا حق حاصل ہے، پھر اگر اس ادارے سے آپ کی علیحدگی ضروری ہو تو جامعہ کی علمی سرگرمیاں برقرار رہنے کی تدبیر کرتے جایئے گا، ورنہ بڑی پوچھ ہوگی، یہ میری رائے ہے، باقی اختیار آپ کو ہے، ماہرناخدا وہ ہے جو تلاطم خیز موجوں کے درمیان اشاعتِ علوم کے سفینے کو عمدگی سے رواں رکھے۔

علامہ قاسم (بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ)(۱) کی ''منية الألمعي''(۲) بذریعہ جہاز ارسال کی ہے، اس میں کچھ اغلاط ہیں، لیکن آنجناب کے لیے ان کی اصلاح آسان ہے، اور ان دنوں اس کی اشاعت کا سبب، کتاب کی ابتدا میں وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے۔

میں آپ اور آپ کے معزز گھرانے کے لیے حجِ مبرور اور مقبول زیارت کا متمنی ہوں، ساتھ ہی امید ہے کہ مواقعِ قبولیت میں اپنی مقبول دعاؤں میں مجھے نہ بھولیے گا۔

جامعہ میں گرامی قدر احباب کو سلام، والدِ جلیل کو بھی دست بوسی کے ساتھ پُرخلوص سلام پہنچایئے، مولانا علامہ مفتی مہدی حسن - اللہ انہیں بحفاظت رکھے- کو بھی میرا سلام واحترام، سبھی سے مبارک دعاؤں کا امیدوار رہوں میرے سردار عزیز تر محترم بھائی!

مخلص: محمد زاہد کوثری

۱۲ شوال سنہ ۱۳۶۹ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴

حواشی

۱:- علامہ قاسم بن قطلو بغا سودونی جمالی حنفی: ابوالعدل کنیت ہے، نامور فقیہ، محدث اور مؤرخ تھے۔ سنہ ۸۰۲ھ میں اس عالمِ فنا میں آنکھ کھولی اور سنہ ۸۷۹ھ میں سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔ مفصل حالاتِ زندگی کے لیے ملاحظہ کیجیے: ''الضوء اللامع'' علامہ سخاویؒ (۱۸۴-۱۶۰/۶) اور ''الأعلام'' زرکلیؒ (۱۸۰/۵)

۲:- ''منية الألمعي فيما فات من تخريج أحاديث الهداية للزيلعي'' مراد ہے، علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو تحقیق کر کے چھاپا تھا۔

﴿ مکتوب: ...... ۳۸ ﴾

جناب مولانا، علامہ جلیل، سید محمد یوسف بنوری حفظہ اللّٰہ

وعلیکم سلام اللّٰہ ورحمتہ وبرکاتہ

بعد سلام! آپ کا تازہ والا نامہ وصول کیا اور آپ کے صحت وعافیت کے ساتھ لوٹ آنے پر بہت مسرت ہوئی، مجھے اُمید ہے کہ مواقعِ قبولیت میں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے، برادرِ عزیز محترم سید محمود حافظ کو دعاؤں کی تمنا کے ساتھ پُرخلوص سلام پہنچایئے۔

آلۂ مکبرہ (مائیکروفون/ لاؤڈ اسپیکر) کے متعلق سرِ دست میں کوئی رائے نہیں دینا چاہتا؛ اس لیے کہ اس کے بعض پہلو مفید ہیں، مثلاً: ایک بڑی جماعت کو آواز پہنچانا، اور بلاشبہ آواز کی بلندی مطلوب ہے، (اسی بنا پر) نو بنو اذان خانوں کو بھی ناپسند نہیں کیا گیا، البتہ اس آلے میں بعض پہلو ناپسندیدہ ہیں، مثلاً: جماعت کو تشویش میں مبتلا کرنا۔ اگر قابلِ احتراز اُمور کی جانب نرمی سے توجہات مبذول کرادی جائیں تو ان شاء اللہ! مفید ہوگا، اور کلی ممانعت کا کوئی فائدہ نہیں؛ اس لیے کہ اب یہ معاملہ مختلف شہروں میں پھیل چکا ہے، (البتہ) اُسے نقصان دہ اُمور سے خالی کرنا فطری طور پر مطلوب ہے۔ آپ فقیہ النفس ہیں اور دلائل کی وسعت رکھتے ہیں، اس مسئلے کے حوالے سے جس رائے پر اطمینان ہو، بیان کرسکتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم سے آپ کی سعی قابلِ قدر، حج مبرور اور زیارت مقبول ہے۔ ''**مختصر الطحاوي**'' کی طباعت میں مطلوبہ اُمور کے متعلق آپ کی مساعی سے مسرت ہوئی، جناب برادرِ عزیز تر! ہمیشہ ہر خیر وبھلائی کے لیے باتوفیق رہیے!

مخلص: محمد زاہد کوثری

۲۲ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۹ھ، شارع عباسیہ نمبر: ۱۰۴ قاہرہ

پس نوشت: ''**المنية**'' (**منية الألمعي لابن قطلوبغا**) کے طبع میں بعض اغلاط ہیں، اور اس مکتوب کے ضمن میں تصحیح کا کچھ تکملہ ہے۔

(جاری ہے)

محدث العصر حضرت بنوریؒ

بیان: حضرت مولانا شمس الرحمٰن العباسی

اخلاص وادب کی اعلیٰ مثال

ضبط وترتیب: مولوی رمیز منصور، تخصصِ فقہِ اسلامی سالِ دوم

گزشتہ سال ۱۴۳۹ھ کے تعلیمی سال کے اختتام پر دورۂ تدریبیہ کے موقع پر پیرِ طریقت، حضرت مولانا شمس الرحمٰن العباسی مدظلہٗ نے دورہ حدیث کے طلبہ کو اپنی قیمتی نصائح سے محظوظ فرمایا تھا، جن میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اساتذہ کے سبق آموز واقعات، نیز اخلاص و ادب سے متعلق زریں باتیں بھی شامل تھیں۔ افادۂ قارئین کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔ [ادارہ]

محترم علماءِ کرام اور عزیز طلباء!

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے انسان کو ساری کائنات کا دولہا بنایا ہے اور ساری کائنات کا نظام اس کی زندگی پر موقوف رکھا ہے، اگر یہ انسان ٹھیک چلے گا تو کائنات کا نظام ٹھیک چلے گا اور اگر یہ بگڑا ہوا ہوگا تو ساری کائنات کا نظام بگڑ جائے گا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ: میں جب اپنے گھر جاتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ میں نے آج کوئی گناہ کیا ہے، اس لیے کہ جب میں اللہ پاک کی نافرمانی کرتا ہوں تو گھر والے میرے مخالف ہوتے ہیں، میرا ادب واحترام نہیں کرتے اور جب میں اللہ کا فرماں بردار رہتا ہوں اور گھر جاتا ہوں تو گھر والے سب میرے ساتھ ٹھیک ہوتے ہیں۔ آج لوگوں کو ایک دوسرے سے شکایتیں ہیں اور آپس میں جھگڑے ہیں، میاں بیوی اور باپ بیٹے کی لڑائیاں، بھائیوں اور دوستوں کے جھگڑے، یہ کیا ہیں؟ اندر سے اعمال بگڑے ہوئے ہیں، اس بگاڑ کی وجہ سے میاں بیوی میں بھی لڑائی ہے، باپ بیٹے میں بھی لڑائی ہے اور بھائی بھائی میں بھی لڑائی ہے، لیکن جب اعمال بن جاتے ہیں تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں کہ غزوۂ یرموک میں حضرت ابوکعب رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی کو دیکھنے کے لیے گئے، پانی ساتھ لے گئے تو دیکھا کہ ان کا آخری وقت ہے، دنیا سے

جارہے ہیں، پانی طلب کیا، ان کو پانی دینے لگے تو ساتھ والے ایک اور زخمی صحابیؓ نے آہ کی، تو انہوں نے اشارہ کیا کہ یہ پانی مجھے نہیں، میرے بھائی کو دے دو، وہ اس دوسرے کو دینے گئے، تو اس کے قریب میں ایک اور صحابیؓ زخمی تھے، انہوں نے آہ کی تو اس دوسرے نے کہا: نہیں، اس تیسرے کو دو، چلتے چلتے یہ ہوا کہ وہ سب بغیر پانی پیئے ہی دنیا سے چلے گئے۔ یہ جو اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ''وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَ لَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ'' کہ ''دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود بھوک سے ہوں۔'' یہ صفت کب پیدا ہوتی ہے؟ جب آدمی کے اندر کا نفس ٹھیک ہوجاتا ہے۔ ہم ٹھیک ہوجائیں گے، نظامِ کائنات ٹھیک ہوجائے گا، ہم بگڑتے رہیں گے تو نظامِ کائنات بھی بگڑتا جائے گا۔

میں آپ کو اپنے شیخ کا بتاتا ہوں، ہمارے شیخ محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے بخاری شریف کے درس میں ہمیں یہ بات بتائی کہ دارالعلوم دیوبند سے جو طالب علم فارغ ہوجاتے تو اساتذہ اُن کو فرماتے کہ: آپ نے علم ظاہری پڑھ لیا، لیکن ابھی تک آپ مکمل نہیں ہوئے جب تک جاکر کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح نہ کرائیں۔ اس زمانے میں تین خانقاہیں معروف تھیں: ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ۔ دوسری رائے پور کی شیخ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ۔ اور تیسری سہارن پور کی حضرت شیخ (مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے شیخ مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ۔ جب تک ان کی صحبت میں طالب علم چھ ماہ نہیں رہتا، اس وقت تک استاذ کہتا کہ تمہارا علم مکمل نہیں ہوا، کیونکہ ظاہری علم تو ظاہری نقوش ہیں، اس کی حقیقت کب ملے گی؟ جب آدمی کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنے دل کی اصلاح کرے گا۔

ہمارے حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میں جب ڈابھیل سے فارغ ہوا، پہلے تو دیوبند میں ہی اپنے شیخ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے، پھر وہ کسی مسئلہ کی وجہ سے دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل چلے گئے تو فرمایا کہ: میں بھی اُن کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ ہمارے حضرت شیخؒ کو اللہ نے بہت بڑی ذہانت دی تھی، حافظہ بہت زیادہ تھا، علم کے سمندر تھے، فرماتے تھے کہ: مجھے اپنی زندگی کے چار سال کے بعد کی عمر کی ساری زندگی یاد ہے، چار سال سے پہلے کی زندگی کی ترتیب یاد نہیں، اس کے بعد ساری زندگی کا ایک ایک منٹ مجھے یاد ہے۔ اور فرماتے تھے کہ: میں جس مسئلہ کو سال کے شروع میں بیان کرتا ہوں، پورے سال مجھے یاد رہتا ہے کہ یہ مسئلہ میں نے کتنی مرتبہ بیان کیا، ایسا اللہ نے حافظہ دیا تھا، فرمایا: میں ڈابھیل میں بخاری شریف اپنے شیخ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتا تھا، اپنے شیخ پر فدا تھے، ہم نے حضرت کو دیکھا کہ تین نام آتے تو اپنے ہوش میں نہیں رہتے تھے: ایک آپ ﷺ کا، حضور پاک ﷺ کے عاشق تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ: علماء دیوبند عاشق رسول نہیں ہیں، میرے پاس وہ

جنگ اخبار موجود ہے کہ جب حضرتؒ کا انتقال ہوا، اُن کی میت کراچی لائی گئی تو اس دن جنگ اخبار کی سرخی تھی کہ: ''ایک بہت بڑے عاشقِ رسول کا انتقال ہوگیا ہے۔'' عشقِ رسول (ﷺ) بے انتہا تھا اور روضۂ اقدس (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر جب جاتے تھے تو باقاعدہ بات کا جواب ملتا تھا، ایسی محبت تھی حضور ﷺ سے، سلام پڑھتے تھے، پھر اپنی بات پیش کرتے تھے اور اس کے دو واقعے سنائے، فرمایا کہ: ایک دفعہ میں عمرہ پر گیا، یہ جتنی تعمیرات ہیں (بنوری ٹاؤن کی)، پرانی تعمیرات ہیں، حاجی عبدالمجید سولیجاؒ نے ساری تعمیر کی نگرانی کی، فرمایا: میں ان کو اپنے ساتھ لے گیا، آپ ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھا اور اس کے بعد عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اس عبدالمجید سولیجا نے ہمارے ایک مدرسہ کی بہت خدمت کی، جواب آیا: مولانا بنوری! فکرمت کرو، ہم نے ان کو پورا پورا بدلہ دے دیا ہے۔ یہ جواب آیا، یہ خود سنایا، ان کانوں نے سنا۔

اور دوسرا واقعہ مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ، جن کو اسیرِ مالٹا کہتے ہیں۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مالٹا میں یہ بھی گئے ہوئے تھے، یہ مولانا عبدالحق نافع گل رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے۔ ہمارے حضرت شیخ کے اس مدرسہ کی بنیاد کے تین ساتھی تھے: ایک مولانا عبدالحق نافع گلؒ، ایک حضرت بنوریؒ اور ایک مولانا لطف اللہؒ تھے۔ یہ تین بنیادی لوگ تھے۔ حضرت مولانا عزیر گلؒ نے شیخ الہندؒ کی بڑی خدمت کی، خدمت پر آپ کو اپنے استاذ کا ایک قصہ سناؤں، کہتے ہیں: رات کو میں اپنے استاذ کے پاؤں دبا کر، سر پر مالش کرکے، سلا کر پھر جا کر آرام کرتا، ایک دن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: دہلی میں میرے کچھ کاغذات دفتر میں موجود ہیں اور اس کی مجھے ضرورت ہے، لیکن دہلی بہت دور ہے، اب کہاں سے لاؤں؟ دیکھو! جب آدمی ادب کرتا ہے، استاذ کا احترام کرتا ہے تو اللہ کی مدد اس کے ساتھ شاملِ حال ہوجاتی ہے، تو جب اپنے شیخ کے پاؤں وغیرہ مالش کرکے اُنہیں سلا دیا تو خود روانہ ہوگئے۔ اللہ نے بڑی صحت و جوانی دی تھی، ہم نے ان کی زیارت کی تھی، حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کے نکاح میں تشریف لائے تھے۔ ایک ان کے والد مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری، ان کو کامل پوری کہتے تھے، ان کے شیخ حضرت تھانویؒ تھے۔ ایک مولانا عزیر گلؒ، یہ سامنے جہاں دارالافتاء ہے، یہاں اُن کے لیے چارپائیاں بچھائی گئیں اور یہاں دونوں آرام فرماتے تھے، بہت خوبصورت چہرہ گلاب کے پھول کی طرح، لمبا قد۔ تو کاغذات لینے روانہ ہوگئے، پیسے تو جیب میں تھے نہیں، پیدل روانہ ہوگئے۔ دیوبند اور دہلی کے درمیان اسی (۸۰) میل کا فاصلہ ہے، مگر اللہ پاک جب لے جانے پر آتا ہے تو ''**کرامات الأولیاء حق**'' تو گئے اور جا کر دفتر سے وہ کاغذات لے آئے اور جب ان کے شیخ، شیخ الہندؒ تہجد کے لیے اُٹھے تو وضو کروا کر کاغذات اُن کے سامنے پیش کیے، تو شیخ الہندؒ نے پوچھا: بھئی کیسے لائے تم؟ کہا: آپ نے ایک خواہش ظاہر کی، میں اللہ کے حکم سے روانہ ہوگیا، یہ کتنا فاصلہ طے کیا؟ ۱۶۰

میل آنا جانا، تو جب آدمی استاذ کا ادب کرتا ہے، احترام کرتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ کی مدد ہو جاتی ہے۔

ادب پر ایک قصہ سنا رہا تھا، ہمارے شیخ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا کہ: میں ڈابھیل میں اپنے شیخ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری پڑھتا تھا، حضرتؒ کی طبیعت خراب ہوگئی، بخاری شریف کچھ دن کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ خود بھی بہت بڑے عالم، فلسفی اور اپنے وقت کے امام اور شیخ الاسلام تھے، لیکن حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے مقابلے کے تو بہرحال نہ تھے، لیکن ان کے بارے میں بھی ہم نے اپنے استاذ مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ: مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے تھے کہ: دین کا کوئی مسئلہ لے آؤ، میں عقل اور نقل دونوں سے اُسے ثابت کروں گا۔ جب پاکستان بنا تو یہ بانیانِ پاکستان میں سے تھے، جب اسمبلی جاتے تھے اور کوئی ان کے سامنے اسلام کے خلاف بات کرتا تھا تو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کی بات کے خلاف عقل اور نقل کے دلائل دے کر اس کا باطل ہونا ثابت کر دیتے، چنانچہ لوگ تنگ آ گئے۔ یہ بات ہمیں ہمارے دورہ کے استاذ مولانا بدیع الزمان صاحبؒ نے سنائی، تو ان پر پابندی لگائی گئی کہ آپ یہاں فی البدیہ تقریر نہیں کریں گے، آپ کو ہم تقریر دیں گے، آپ اس کی تیاری کر کے تقریر کریں گے۔ تو حضرت عثمانیؒ اتنے بڑے عالم تھے اور حضرت انور شاہ کشمیریؒ تو علم کے سمندر تھے، وہ تو فرماتے تھے کہ: سال کے شروع میں جو بات کرتا ہوں، سارا سال مجھے یاد رہتا ہے کہ یہ بات میں نے کتنی دفعہ دہرائی ہے۔ سولہ سال بعد بھی جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو صفحہ اور لکیر کے ساتھ مسئلہ یاد رہتا تھا۔ تو ہمارے حضرت شیخ بنوریؒ نے فرمایا کہ: جب بخاری شریف ان کی طرف منتقل ہوگئی... کیونکہ اللہ نے ذہن بہت بڑا دیا ہوا تھا، حافظہ بڑا اقوت کا تھا، فرماتے تھے کہ: میں نے معارف السنن کے لیے ایک ایک رات میں حدیث کے ہزار ہزار صفحات پڑھے اور وہ بھی ایسے مرور نہیں کیا، باقاعدہ اس سے مسائل اخذ کیے، اتنا قوی حافظہ تھا... تو کہا کہ: میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ گھنٹہ تو میرے شیخ سے بدل دیا گیا... مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی ان کے شیخ تھے، کچھ ان سے بھی پڑھا تھا، لیکن بخاری شریف تو حضرت انور شاہ کشمیریؒ پڑھاتے تھے... تو کہا کہ میرے دل میں نفس اور شیطان نے ڈالا کہ اس گھنٹے میں مت جاؤ، اس میں خود حدیث کی شروح کا مطالعہ کرو تو فرماتے تھے کہ: اس گھنٹہ میں میں اتنا شروح کا مطالعہ کر لیتا کہ ان کی پڑھائی سے میرا مطالعہ زیادہ ہو جاتا تھا۔ یہ میرے نفس میں آیا، تو میں ان سے زیادہ مطالعہ کر لیتا تھا، اس لیے میں نے جانا چھوڑ دیا، دو تین دن جب نہیں گیا، رات کو سویا تو میں نے خواب میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کو دیکھا، حضرت نے خواب میں فرمایا... بڑی محبت تھی، اُن کو بھی اور اِن کو بھی، فرمایا: بیٹے یوسف! تم سبق میں کیوں نہیں جاتے؟ میں نے عرض کیا کہ: حضرت! میں ان سے زیادہ

مطالعہ کرلیتا ہوں، فرمایا کہ: تمہارا مطالعہ اپنی جگہ، لیکن استاذ کے سبق میں جو سبق کا اور علم کا نور ملے گا وہ تمہارے مطالعہ میں نہیں ملے گا، لہٰذا سبق میں جایا کرو۔

اور استاذ کے ادب پر بتاؤں آپ کو۔ حضرت عربی ایسے بولتے تھے جیسے مادری زبان۔ یہاں مصر کے ایک استاذ تھے، ہمارے ایک استاذ تھے، وہ ہمیں ادب پڑھاتے تھے، مولانا محمد احمد اور ایک اور مصر کے قاری تھے عطاء الرزق؟؟، جنہوں نے یہاں دس سال تک ہمارے بنوری ٹاؤن میں نماز پڑھائی، ان سے عربی بولتے، وہ حیران ہو جاتے، حضرتؒ کی عربی ان سے بھی زیادہ فصیح تھی۔ فرماتے تھے کہ: میں نے عربی کی کوئی خاص ادب کی کتاب نہیں پڑھی، میں نے مقامات کے چند مقامات سرحد میں پڑھے ہیں، نہ حماسہ پڑھی، نہ متنبّی پڑھی۔ اور فرماتے تھے کہ: پڑھانے والا استاذ ہوتا تھا، وہ بہت سی لغات کی بے چارہ غلط تشریح کرتا تھا اور مجھے اس سے زیادہ صحیح آتا تھا، لیکن ہم نے ادب کی وجہ سے وہ مقامات پڑھے، استاذ کے سامنے کچھ نہیں کہا، اللہ پاک نے اس ادب کی برکت سے علم ادب کے دروازے میرے لیے کھول دیئے۔

میرے دوستو! بزرگو! میں عرض کررہا تھا کہ یہ علم جو ہے، اس کے اندر جب تک باطنی علم نہ ملے اس وقت تک یہ ظاہری علم ہے۔ ہمارے حضرت شیخؒ کا واقعہ عرض کررہا تھا، فرمارہے تھے کہ: جب ڈابھیل سے فارغ ہوا تو میں نے اپنی اصلاحِ نفس کے لیے تھانہ بھون خط بھیجا۔ خط کیوں بھیجا؟ حضرت تھانویؒ مزاج اور اُصول کے بڑے پابند تھے اور اپنے اُصول میں بڑے سخت تھے، خانقاہ میں بغیر اجازت کے کوئی جا نہیں سکتا تھا، جس کو جانا ہوتا تھا، وہ پہلے اجازت لیتا تھا۔ اس کے بعد حضرت اجازت دیتے تھے اور پھر وہ خانقاہ میں جاتا تھا۔ اب اسی سے ایک واقعہ بیچ میں آیا، ایک نواب اپنے ساتھ بہت سے خدام تھانہ بھون لایا، حضرت تھانویؒ کو معلوم ہوا، فرمایا: نواب صاحب! میں ملاقات نہیں کروں گا، تم نے ملنے کی اجازت نہیں لی اور میری خانقاہ کا اُصول یہ ہے کہ بغیر اجازت کے میں کسی کو خانقاہ میں آنے نہیں دیتا، میں تم سے نہیں ملوں گا۔ وہ نواب تھا اور یہ فقیر بادشاہ تھا۔ نواب صاحب نے بڑی معافی مانگی، حضرت! مجھے یہ نہیں پتہ تھا، مجھ سے غلطی ہوگئی، آپ معاف کردیں، میں آئندہ ایسے نہیں کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا: نہیں بھئی، میں نہیں ملوں گا۔ واپس جاؤ اور جاکر خط بھیجو، پھر میں اجازت دوں گا، پھر آجانا۔ اس بے چارے نے سوچا کہ یہ اتنے ملازم میں ساتھ لایا ہوں، یہ واپس لے جاؤں گا، میری بدنامی بھی ہوگی، تکلیف بھی ہوگی، تو اس نے جاکر تھانہ بھون کے اسٹیشن پر چولہے لگائے، وہیں پکانے والوں کو بلایا اور وہیں کھانا پکاتے تھے اور وہیں خیموں کے نیچے بیٹھ کر کھاتے تھے۔ ہم نے دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر اس اسٹیشن کو دیکھا۔ ہمارے بزرگوں نے بڑے استغناء کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ پھر نواب صاحب وہاں سے روز خط بھیجتے

تھے کہ حضرت! معاف کردیں، اب تو اجازت دے دیں۔ حضرت تھانویؒ نے ایک ہفتے تک اجازت نہیں دی، ایک ہفتہ کے بعد اجازت دی کہ اچھا!! اب آجاؤ۔ ایسے اصول تھے اُن کے، آدمی کی اصلاح کرتے تھے۔ دل کے اندر تکبر، نخوت نہ ہو، اللہ والوں کی بے ادبی نہ ہو۔

تو ہمارے حضرت شیخ بنوریؒ نے فرمایا کہ: میں نے اپنی اصلاح کے لیے تھانہ بھون حضرت تھانویؒ کو خط بھیجا کہ میں آپ کی خانقاہ میں آنا چاہتا ہوں، تو حضرت تھانویؒ نے خط کے پیچھے جواب لکھا کہ میرے پاس تھانہ بھون کیوں آنا چاہتے ہو؟ اگر اس لیے آنا چاہتے ہو کہ میں بزرگ ہوں، اللہ والا ہوں، تو میں بزرگ نہیں ہوں... اللہ والے اپنے آپ کو بزرگ نہیں سمجھتے، کیونکہ تواضع اور عاجزی ان میں ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں تو سب سے زیادہ کمتر ہوں۔ حضرت مدنیؒ کے مکتوبات آپ پڑھیں، ہر ہر مکتوب کے آخر میں ایک شعر لکھا ہے:

یظن الناس بی خیرا و إنی لشر الناس إن لم یعف لی

''لوگ میرے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ: میں بہت اچھا آدمی ہوں، میں تو سب سے برا آدمی ہوں، اگر اللہ نے معاف نہیں کیا۔''

یہ حضرت مدنیؒ جن کے بارے میں ہمارے شیخ حضرت بنوریؒ فرماتے تھے کہ: میں علم میں دیکھتا ہوں تو حضرت انور شاہ کشمیریؒ کو آسمان پر دیکھتا ہوں اور حضرت مدنیؒ کو زمین پر اور تصوف میں دیکھتا ہوں تو حضرت انور شاہ کشمیریؒ کو زمین پر اور حضرت مدنیؒ کو آسمان پر، لیکن وہ کیا کہتے تھے؟! اور اپنے نام کے ساتھ لکھتے تھے: ''ننگِ اسلاف حسین احمد مدنی۔''

اللہ والے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے اور اسی تواضع پر ''من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ''... جو تواضع اختیار کرے گا، اللہ اس کو بلند کرے گا۔ ہمارے حضرت شیخ کا واقعہ سناتا ہوں۔ یہ مفتی عاصم زکی صاحب کے والد نواب محمد زکی صاحب نے ایک دفعہ دعوت کی، ہمارے بڑے حضرت عبدالغفور مدنیؒ کے مرید تھے، دعوت میں میرے والد صاحب کو بھی کہا، ڈاکٹر عبدالحیؒ کو بھی کہا، حضرت بنوریؒ کو بھی کہا، میں چھوٹا سا تھا، میں بھی اپنے والد صاحب کے ساتھ گیا، پہلے ہم جب پہنچ گئے تو ڈاکٹر عبدالحیؒ تشریف لائے۔ ڈاکٹر عبدالحیؒ..... بہت بڑے اللہ والے تھے، عارفی ان کا لقب تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا وہ جملہ مجھے ابھی بھی یاد ہے، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ: میں نے مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریف پڑھے، ان میں حضرتؒ نے لکھا ہے کہ: میں نے تصوف کے سارے مقامات دیکھ لیے، میں نے تصوف کی ابتدا بھی دیکھی، انتہا بھی، اس کی ابتدا بھی اتباعِ سنت ہے اور انتہا بھی اتباعِ سنت ہے۔ یہ مجھے ابھی بھی یاد ہے

....تھوڑی دیر کے بعد حضرت بنوریؒ تشریف لائے، میرے والد صاحب کے ساتھ بڑی محبت تھی، عام طور پر اردو میں بات کرتے تھے، میرے والد صاحب کے ساتھ پشتو میں بات کرتے تھے، تو تواضع کو دیکھو، میرے والد صاحب نے پوچھا: کیا حال ہیں؟ حضرت بنوریؒ نے جواب دیا، مجھے یاد ہے، میں نے اپنے کانوں سے سنا، ارشاد فرمایا: ہمارا کیا حال ہے، ہماری حیوانیت بڑھتی جارہی ہے، انسانیت ختم ہوتی جارہی ہے۔ یہ حضرت بنوریؒ اپنے بارے میں فرمارہے تھے، اتنا علم کا پہاڑ، تقویٰ کا پہاڑ اور استغناء کا پہاڑ، کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں:

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف　　　کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

بھٹو صاحب نے ایک دفعہ دھمکی دی کہ مولانا! تم بہت اچھلتے ہو، میں تمہارے مدرسہ پر پابندی لگا دوں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا: بھٹو صاحب! تم میرے مدرسہ پر تو پابندی لگا دو گے، بنوری پر تو نہیں لگا سکتے، بندکردو میرا مدرسہ، میں دور کہیں درخت کے نیچے بیٹھ جاؤں گا، لوگوں سے کہوں گا کہ آؤ! مجھ سے دین سیکھو۔ دین سیکھنا صرف تعمیر میں نہیں ہے، میں چٹائی پر درخت کے سائے کے نیچے بیٹھ جاؤں گا اور اللہ کا دین خدا کے بندوں کو سکھاؤں گا۔ کوئی کلمہ سیکھے گا، کوئی سورۂ فاتحہ سیکھے گا۔ دین صرف بخاری شریف پڑھانے کا نام نہیں، وہ اپنی جگہ بڑا کام ہے، اس کا انکار نہیں، لیکن دین تو سورہ فاتحہ پڑھانے کا نام بھی ہے، دین تو ایک مسئلہ بتانے کا نام بھی ہے۔

ایک دفعہ مولانا سعید احمد خان صاحبؒ جو پورے سعودی عرب کے تبلیغی کام کے امیر تھے، علماء میں بیان کررہے تھے، فرمانے لگے کہ: جو ایک مسئلہ دین کا سیکھنے کے لیے جائے گا، چاہے وہ طالب علم نہ بنے، لیکن ایک مفتی کے پاس ایک مسئلہ سیکھنے کے لیے جائے گا، اس کے قدموں کے نیچے بھی فرشتے پر بچھائیں گے۔ جو حدیث میں آیا ہے کہ طالب علم کے لیے فرشتے اکرام میں اپنے پر بچھاتے ہیں، فرمایا کہ: یہ بھی طالب علم بن گیا۔ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ: دو آدمیوں کی غلطیوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ درگزر فرمائیں گے: ایک طالب علم، کیونکہ یہ آدمی سیکھ رہا ہے۔ اور ایک فرمایا: عاشق، جس کو اللہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عشق ہے۔ محبت میں کبھی غلطی کرلیتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ ایک لکڑ ہارا ہے، اللہ سے بات کررہا ہے: اے اللہ! آپ کدھر ہیں؟ اگر مجھے دکھائی دیں تو میں آپ کے سر کی مالش کردوں، میں آپ کے پیر دبا دوں، میں آپ کے بالوں سے جوویں نکالوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو جلالی پیغمبر تھے، انہوں نے کہا: او کافر! یہ کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کفریہ کلمات کہہ رہا ہے، اللہ نہ تیرے دبانے کے محتاج ہیں اور نہ اس کے سر میں جوویں ہوتی ہیں، نہ اس کے سر پر مالش کرنے کی ضرورت

ہے اور لکڑ ہارا بے چارہ سیدھا سادا اللہ کے عشق اور محبت میں باتیں کر رہا تھا، اس نے اپنا گریبان پھاڑا اور جنگل کی طرف چلا گیا کہ میں تو ساری زندگی اللہ سے یہی گفتگو کر رہا تھا۔ مولانا رومؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا   بندۂ ما را زِ ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی   نے برائے فصل کردن آمدی

تو اللہ نے وحی بھیجی: اے میرے پیغمبر! تو نے میرے بندہ کو مجھ سے جدا کیا، وہ مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا تھا، میں اس کی باتوں پر خوش ہو رہا تھا، وہ بے چارہ ناسمجھ تھا۔ جاؤ! اس کو پھر مجھ سے ملا دو، ناسمجھ تھا۔ تو مولانا سعید احمد خانؒ فرماتے تھے کہ: بے چارہ محبت بھی کرتا تھا، غلطی بھی کرتا تھا، تو محبت میں اللہ تعالیٰ بھی معاف کرتا تھا۔ تو میں نے سنا کہ: مولانا سعید احمد خانؒ کے پاسپورٹ میں جو لکھا ہوتا ہے کہ کیا پیشہ ہے؟ لکھا ہوتا تھا: ''طالب علم'' کسی نے پوچھا کہ: حضرت! آپ تو اب فارغ ہو گئے، کہا: نہیں، میں ساری زندگی طالب علم ہوں، اور کیوں لکھتا ہوں؟! اس لیے کہ قیامت کے دن اگر اللہ کے سامنے میری پیشی ہو تو میں طالب علم ہوں گا، اللہ تعالیٰ میری غلطیوں سے درگزر فرمائے گا۔ مولانا حضرت شیخ کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی۔

خیر! بیچ میں باتیں آجاتی ہیں، تو ہمارے حضرت شیخ بنوریؒ نے فرمایا کہ: حضرت تھانویؒ نے جواب دیا کہ: کیوں آتے ہو؟ اگر مجھے کوئی بزرگ سمجھتے ہو تو میں بزرگ نہیں، اگر مال دار سمجھتے ہو تو میں فقیر آدمی ہوں۔ ہمارے شیخ کا جواب سنو: اللہ نے کیسا ذہن دیا تھا، ہم ہوتے تو حیران ہو جاتے، میرے پاس تو اس کا کوئی جواب نہیں۔ ہمارے شیخؒ نے اس کے پیچھے جواب لکھا کہ: ''حضرت! آپ نے جو لکھا کہ میں بزرگ نہیں ہوں، یہ آپ نے اپنے ذہن سے لکھا ہے، آپ کے ذہن میں یہ بات ہے اور میں آپ کے پاس اپنے ذہن سے آنا چاہتا ہوں، آپ کے ذہن سے نہیں آتا اور میرے ذہن میں آپ اللہ والے ہیں، لہٰذا آپ مجھے اجازت دے دیجئے۔'' تو حضرت تھانویؒ نے اس کے پیچھے لکھا: بیا بیا کہ خانہ خانۂ تو است (آجاؤ، آجاؤ، تمہارا اپنا گھر ہے) تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: خانقاہِ تھانہ بھون میں اجازت لے کر گیا۔

ہمارے حضرت تھانویؒ مجددِ وقت تھے، انہوں نے اس سلسلۂ تصوف میں یہ ایجاد کیا کہ ان کے ہاں دو قسم کے خلفاء ہوتے تھے: ایک مجازِ صحبت، ایک مجازِ بیعت، یعنی ایک کو تو صرف صحبت، یعنی مجلس کرانے کی اجازت تھی اور ایک کو بیعت کی بھی۔ ہمارے شیخ ان کی صحبت میں زیادہ نہیں رہے، چند دن کی ملاقات میں ہی حضرت تھانویؒ نے مجازِ صحبت بنا دیا۔ پھر ہمارے حضرت شیخ کو حضرت مولانا شفیع الدین جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے، انہوں نے خلافت دی، لیکن حضرت شیخؒ بیعت

نہیں کراتے تھے، کیونکہ علم کا ان پر غلبہ تھا۔ بہت کم بیعت کراتے تھے، دو چار ہی مرید ہوں گے۔ تو حضرتؒ نے بھی فرمایا کہ میں بھی گیا تھانہ بھون میں۔

تو آپ سے عرض یہ ہے کہ ایک تو ظاہری علم ہے اور ایک اس کے ساتھ باطنی اصلاح ہے، اور اصلاح کس کی ہے؟ قلب کی، دل کی اصلاح ہے۔ ابھی آپ فارغ ہو جائیں گے، دین کی خدمت کریں گے، خدمت کے ساتھ ساتھ کسی اللہ والے سے تعلق ضرور قائم رکھیں، اس کے بغیر کیا ہوگا؟! ہمارے حضرت شیخ مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اللہ والے تھے، علم وفقاہت کے سمندر تھے، ہمارے استاذ حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: کھنڈر میں خزانہ ہیں، کیا معنی؟ ظاہر میں ایسے سیدھے سادے نظر آتے تھے، پان اِدھر گرا، یہاں کپڑوں میں لگا، فقیر لگتے تھے، لیکن اندر فقاہت بھری ہوئی تھی۔ ہمارے حضرت شیخ مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: دنیا میں جتنے فتنے پھیلے ہیں، یہ سب ذہین علماء نے کیا ہے، اس کا بانی دیکھو گے تو کوئی ذہین عالم ہوگا، تو فرماتے تھے کہ: جس ذہین عالم نے کسی اللہ والے کی صحبت اختیار نہیں کی اور خالی اپنی ذہانت اور علم پر بھروسہ کیا تو اس کا علم دنیا میں فتنہ بن گیا اور اس کے ساتھ فرماتے تھے کہ: جتنے دنیا میں اس وقت فتنے چل رہے ہیں، کسی نہ کسی ذہین عالم نے اس کی بنیاد ڈالی ہے۔ صحبت نہیں رکھی اللہ والوں کے ساتھ تو یہ علم اس کا فتنہ بن گیا۔ وہ علم جو کہ راہِ حق نہ دکھائے وہ علم جہالت ہے۔

مولانا سحبان محمود صاحبؒ جو ناظم تھے دارالعلوم کے، بڑے اللہ والے تھے، حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ کے خلیفہ تھے، طلبہ کو نصیحت فرما رہے تھے، ان کے سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ: تم نے ابھی علم کا ایک ظاہری چھلکا پڑھا ہے، اس کا باطن کب تمہیں ملے گا؟! جب تم کسی اللہ والے کی صحبت میں جاؤ گے۔ اسی لیے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ’’قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَکّٰاهَا‘‘ تحقیق کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ: آدمی کسی اللہ والے کی صحبت میں نہ ہو، اس کی ساری علم کی محنت بعض اوقات برباد ہو جاتی ہے۔

آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ تبلیغ والے تین آدمیوں کا واقعہ بہت بیان کرتے ہیں، تین آدمی جہنم میں جائیں گے: ایک عالم، ایک سخی اور ایک شہید..... اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **جوامع الکلم** دیئے تھے، یعنی مختصر جملے اور ان میں بہت بڑے خزانے، اب یہ واقعہ بیان کیا، یہ جوامع الکلم میں سے ہے، میں اس کا نکتہ بیان کرتا ہوں۔ جتنی عبادات ہیں، وہ تین قسم کی ہیں: ایک لسانی عبادت، ایک بدنی عبادت، ایک مالی عبادت۔ اس حدیث شریف میں تینوں کا بیان ہے۔ عالم کا زیادہ تر تعلق لسانی

عبادت سے ہے، شہید کا بدنی عبادت سے ہے، سخی کا مالی عبادت سے ہے۔ پھر عبادت ایک وقت کی نہیں، ساری زندگی کی ہے۔ عالم نے ساری زندگی علم پڑھا، پڑھایا۔ شہید نے اپنی جان دے دی، اور کیا دے سکتا ہے۔ مالدار نے ساری زندگی خرچ کیا۔ ساری زندگی کی عبادت، لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ:..... قیامت کے دن جب تینوں اللہ تعالیٰ کے سامنے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا عالم سے کہ: میں نے تمہیں علم دیا..... علم کیا ہے؟ اللہ کا نور ہے، اس کی قیمت میرے دوستو! قیامت کے میدان میں معلوم ہوگی، دیکھیں، شہید کی شفاعت کی مقدار بتائی گئی، حافظِ قرآن کی بتائی گئی، حاجی کی بتائی گئی، لیکن عالم کی نہیں بتائی، عالم کے علم کا جتنا فائدہ ہوگا اس کے بقدر لوگ جنت میں جائیں گے، کسی کے پیچھے محلّہ جائے گا جنت میں، کسی کے پیچھے علاقہ جائے گا، کسی کے پیچھے گاؤں جائے گا، کسی کے پیچھے ملک جائے گا۔ مولانا الیاسؒ نے انتقال سے پہلے فرمایا کہ: لوگ اپنے گھر چھوڑ رہے ہیں، میں پورا علاقہ میوات چھوڑ رہا ہوں، یہ قیامت کے دن میرے نامۂ اعمال میں ہوگا۔ تو عالم کی بہت بڑی قدر ہے، اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے:

شکوت إلی وکیع سوء حفظی — فأوصانی إلٰی ترک المعاصی
فإن العلم نور من إلٰہ — ونور اللّٰہ لا یعطی لعاصی

فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے استاذ وکیع کو شکایت کی کہ: میرا حافظہ کمزور ہے، تو انہوں نے کہا کہ: گناہ چھوڑ دو، آگے وجہ بیان کی کہ علم اللہ کا نور ہے، اللہ کی ذاتِ عالی سے نکلا ہوا یہ دینی علم ہے، تو میرے دوستو! اللہ کا نور اللہ کے نافرمان کو نہیں ملتا، تو یہ اللہ کا نور ہے جو اللہ نے آپ کے سینے میں رکھا ہے، اس کا پتہ قیامت کے میدان میں چلے گا۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فضل العالم علی العابد کفضلی علی أدناکم** ، کہ ایک عالم کو ایک عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے مجھ کو تم میں سے ادنیٰ پر۔ اعلیٰ بھی کہہ سکتے تھے، وہ تو سارے نبیوں کے سردار ہیں، نبی کا بھی کہہ دیتے تو پھر بھی کوئی بات نہ تھی، لیکن پھر بھی فرماتے ہیں کہ: تم میں سے ایک ادنیٰ شخص پر۔ کہاں نسبت ادنیٰ کی، کہاں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی؟! اتنا بڑا مقام ہے، لیکن ساتھ عمل بھی ہو...... تو میں عرض کر رہا تھا، اللہ فرمائیں گے: میں نے علم دیا تھا کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے پڑھا پڑھایا، اللہ فرمائیں گے: نہیں، میرے لیے نہیں کیا، تو نے اپنے نام ونمود کے لیے کیا، جا! منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ: حدیث میں یہی آتا ہے کہ منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ نام کے لیے کیا تھا، تمہارا نام دنیا میں ہو چکا۔ اور شہید کو کہا جائے گا کہ تجھے جوانی اور صحت دی، کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ: یا اللہ! میں نے گردن کٹا

دی، اللہ فرمائیں گے: نہیں، میرے لیے نہیں کیا، اپنی بہادری دکھانے کے لیے کیا۔ حکم ہوگا کہ اسے جہنم لے جاؤ۔ اور مالدار کو کہا جائے گا کہ: میں نے تمہیں حلال مال دیا تھا...... اللہ نے حلال مال کو اپنا فضل فرمایا ہے: ''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔''... ''جب نمازِ جمعہ پڑھ لو تو زمین میں پھر کر اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' اس کی تفسیر مفسرین نے حلال مال کی ہے، حلال مال بھی اللہ کا فضل ہے، خرچ کرے گا تو دنیا میں خیر کا ذریعہ ہوگا...... وہ کہے گا: میں نے تو ساری زندگی خرچ کیا، حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈال دو، میرے لیے نہیں، نام کے لیے کیا۔

تو میرے دوستو! آپ سے درخواست ہے، میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو علم کی دولت سے نوازا۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں: یہ آدھا ہے۔ اور اس پر میں یہی عرض کرتا ہوں کہ ہمارے شیخ حضرت بنوریؒ اتنے علم کے خزانہ کے باوجود- جب کسی بات پر شروع ہو جاتے، ہم سمجھتے جیسے سمندر بہہ رہا ہے، لیکن پھر- بھی اللہ والوں کی صحبت میں رہے، ان کی جوتیاں سیدھی کیں۔ شیخ الحدیث صاحبؒ جن کی کتابیں آج دنیا میں چوبیس گھنٹے پڑھی جاتی ہیں، ڈھائی سو ملک ہیں، سب ملکوں میں یہ کتاب پہنچی ہوئی ہے، سارا ثواب ان کے نامہ اعمال میں پہنچے گا، لیکن انہوں نے بھی کس کے جوتے سیدھے کیے؟ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا الیاسؒ، جن کی تبلیغ آج پوری دنیا میں پہنچی ہوئی ہے۔ ان کے بارے میں حضرت شیخؒ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ: آخری عمر تک اپنے شیخ کی بتائی ہوئی ترتیب نہیں چھوڑی، چشتیہ سلسلہ تھا ان کا، عصر سے مغرب تک ''لا إلٰه إلا اللّٰه'' کی ضربیں لگاتے۔ حضرت شیخؒ نے لکھا ہے کہ: میں نے دو آدمیوں کو دیکھا کہ اللہ نے سب مقامات دیئے، پھر بھی اپنے شیخ کے بتائے ہوئے ذکر کا طریقہ نہیں چھوڑا: ایک مولانا الیاسؒ اور ایک میرے والد مولانا یحییٰؒ۔ عصر سے مغرب تک یہ ذکر کیا کرتے تھے: **لا إلٰه إلا اللّٰه ، لا إلٰه إلا اللّٰه**۔

اور میں آخر میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے اس مدرسہ کے اس وقت تک جتنے مہتممین آئے، یہ سب کسی اللہ والے کی صحبت میں رہے۔ حضرت بنوریؒ کا تو میں نے بتایا، ان کے بعد مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ تھے' مولانا فقیر محمد صاحبؒ...... حضرت تھانویؒ کے خلیفہ جو ''بَــكّــاء'' کے نام سے مشہور تھے، جب نماز کا سلام پھر جاتا، فوراً روتے، چیخیں لگاتے، اللہ نے ایسا دل دیا ہوا تھا۔ مولانا فقیر محمدؒ سے ایک مرتبہ نواب فیصل، جو کہ حضرت تھانویؒ کے مرید تھے، معلوم نہیں انتقال ہوگیا یا حیات ہیں، وہ بھی خلیفہ تھے، مولانا فقیر محمدؒ ان کے گھر میں تھے، ان سے کسی نے پوچھا کہ: آپ جب چلے جائیں گے تو ہم کن سے رجوع کریں گے؟ تو انہوں نے فرمایا: مفتی احمد الرحمٰنؒ سے، جن کو ایک سال پہلے ہی ہمارے شیخ

نے بھی اپنے بعد نائب بنایا تھا۔ پھر تیسرے نمبر پر حضرت مولانا حبیب اللہ مختارؒ، وہ بیعت تھے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ (سرگودھا) سے۔ اور اب موجودہ ہمارے ڈاکٹر صاحب، ہمارے ''**الطريقة العصرية**'' کے استاذ، شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے بیعت تھے۔

میرے دوستو! بزرگو! ابھی آپ فارغ ہو جائیں گے۔ آخری نصیحت اپنے شیخ کی آپ کو بتاؤں، اسی درسگاہ میں بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھاتے ہوئے ہمارے شیخؒ نے فرمایا کہ: دیکھو! طالب علمو! تم اب فارغ ہو جاؤ گے، جا کر کہیں دین کی خدمت تلاش کرو گے، لیکن میری ایک آخری نصیحت سن لو، جہاں بھی اللہ پاک دین کی خدمت بغیر طلب کے دے، مسجد میں جھاڑو دینے کا کام اللہ دے دے، وضو خانہ کی صفائی کا کام اللہ دے دے، مسجد کی صفائی کا کام اللہ دے دے- یہ ہمارے شیخ کے الفاظ ہیں بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھاتے ہوئے- مسجد میں مؤذنی کا کام اللہ دے دے، مسجد میں امامت کا کام اللہ دے دے، کسی مدرسہ میں تدریس کا کام اللہ دے دے، کوئی بھی خطابت کا کام اللہ دے دے، یہ سارے دین کے شعبے ہیں، آگے جلال میں آئے، واللہ! باللہ! تاللہ! -تینوں قسمیں کھائیں- بنوری' بخاری پڑھاتے ہوئے اگر دل میں اخلاص نہیں ہوگا تو جہنم کے نچلے آخری طبقہ میں جائے گا اور وہ مسجد میں جھاڑو دینے والا مسجد کا خادم، جو وضو خانہ صاف کرتا ہے، مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، اگر اخلاص کے ساتھ دیتا ہے تو جنت کے اعلیٰ درجوں میں جائے گا۔

میرے بزرگو! دوستو! آپ فارغ ہو جائیں گے، بہت سے ساتھی کہتے ہیں کہ ہمیں جگہ نہیں ملی، بھائی جگہ تو بہت ہے، آپ تیار نہیں، اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ، کسی مسجد میں بیٹھ جاؤ۔ دیکھو! میں آپ کو اس پر ایک قصہ سناؤں، قاری عبدالرحیم صاحب، جن کا مدرسہ ہے، کہنے لگے: میرا ہندوستان میں ایک بہت بڑا مدرسہ تھا، تین لاکھ روپے کی عمارت تھی، جب میں وہاں سے پاکستان آیا، کچھ دن ملی مسجد میں پڑھایا، وہاں میں نے جھگی بنائی۔ جھگی کتنی؟! دو چارپائی کی، بیچ میں' میں نے ایک پردہ لگا دیا۔ میں ملنے گیا، مجھے اپنا قصہ سنایا۔ کہا: ایک چارپائی کی جگہ میں چھ آدمی آتے تھے، وہ میں نے پڑھانے کے لیے رکھی۔ اچھا!! عجیب بات یہ ہے کہ خود حافظ قرآن نہیں تھے، مگر سینکڑوں حفظ میں ان کے شاگرد تھے۔ وہ جگہ میں نے کھولی کہ بچے آئیں گے، میں ان کو نورانی قاعدہ پڑھاؤں گا، قرآن پاک سکھاؤں گا۔ اور ایک چارپائی کی جگہ میں نے اپنی اہلیہ کے لیے رکھی، اولاد نہیں تھی۔ میں نے یہ قرآن پڑھانا شروع کیا اور کہا کہ: اے اللہ میاں! میرے بس میں تو یہی تھا، آدھا بیوی کے لیے، آدھا دین کے لیے۔ کہا: میں کچھ دن پڑھاتا رہا، ایک آدمی آیا، کہا: قاری صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ نے ایک مدرسہ کھولا ہے؟ میں

نے کہا: ہاں!۔ کہا: کہاں ہے؟ میں نے کہا: یہ ہے۔ کہا: یہ کوئی مدرسہ ہے؟ میں نے کہا: یہ طالب علم بیٹھے ہیں۔ کہا: یہ تو آپ کی جھگی ہے۔ کہا: آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کے لیے ایک کمرہ بنا دوں؟ میں نے کہا: تمہاری مرضی، ہمیں تو ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا کام اس سے بھی چل جائے گا۔ تو اس نے کہا: نہیں، آپ مجھے اجازت دیں ایک کمرہ بنانے کی۔ تو ایک کمرہ بنایا۔ ان کے پاس طالب علم بڑھ گئے، ایک اور اللہ کا بندہ ان کے پاس آیا، اس نے کہا: حضرت! میں نے سنا ہے کہ آپ نے مدرسہ بنایا ہے؟ تو میں نے کہا: ہاں!۔ تو کہا: اجازت دیں، میں ایک کمرہ بنا دوں؟ میں نے کہا: بنا دو۔ کرتے کرتے سارا مدرسہ بن گیا۔ اور اس کے لیے چندہ تو میں کرتا نہیں تھا، کسی کے پاس جاتا نہیں تھا، اس کے لیے کیا ہوتا! روز لوگ آتے، کتنے طالب علم ہیں؟ صبح میری دعوت ہے۔ شام کو دوسرے آتے، ہماری دعوت ہے۔ جس وقت میں ملنے گیا تو ایک ماہ تک صبح شام کا کھانا بک تھا اور بکریاں الگ کھڑی تھیں۔

آپ تھوڑا قدم اُٹھاؤ گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے، میرے بندے! تو ایک قدم اٹھائے گا، میں دو قدم اٹھاؤں گا، تو ایک ہاتھ آئے گا، میں دو ہاتھ آؤں گا، تو چل کر آئے گا، میں دوڑ کر تیرے پاس آؤں گا۔ تو میرے دوستو! ہمارے اندر خدمت کا جذبہ ہوگا، اللہ ہمیں محروم نہیں کریں گے۔ اور اب اس پر بہت سارے واقعات ہیں ہمارے شیخ کے۔ مجھے ایک جگہ جانا ہے، تو میں نے آپ کے سامنے چند باتیں عرض کر دیں۔

اللہ نے آپ کو علم کی دولت نصیب فرمائی ہے، تاج آپ کے سر پہنایا ہے، اس کے ساتھ آپ فارغ ہوجائیں۔ اللہ کے دین کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ لگ جاؤ، یہ فکر مت کرو کہ کھاؤں گا کہاں سے، ضروریاتِ زندگی کہاں سے پوری ہوں گی۔ ہمارے شیخ اس کے لیے مثال دیتے تھے کہ: ایک آدمی ایک کتے کو اپنے گھر کے دروازہ پر باندھ دے، وہ اس کے گھر کی چوکیداری کرے، تو وہ آدمی جتنا بھی کنجوس ہوگا، وہ اس کتے کو بھوکا نہیں چھوڑے گا، گھر کی ہڈیاں اس کے سامنے ڈالے گا، بچی کھچی روٹیاں اس کے سامنے ڈالے گا، لیکن اپنے کتے کو بھوکا نہیں چھوڑے گا۔ خدا کی اتنی غیور ذات اور اتنی سخی ذات ہے، ہم اس کے دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کریں گے تو کیا وہ ہم کو بھوکا مارے گا؟ تو آپ اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کریں گے، اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ اللہ کا دین پڑھائیں گے، اللہ آپ کے دنیا وآخرت کے سارے مسائل حل کریں گے۔

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

روایت پسند علماء اور مروجہ اسلامی بینک کاری

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگران شعبہ تخصصِ فقہِ اسلامی، واستاذ جامعہ

تحفظات اور دوری کے اسباب!

بینکوں کی اصلاح اور اسلام کاری کے نام پر ایک عرصہ سے اچھا خاصا کام ہو رہا ہے، کئی ماہرینِ فن اور متعدد اہلِ فتویٰ کی مشترکہ کوششوں سے یہ کام روز افزوں پھیل رہا ہے، مگر اس کے باوجود روایت پسند علماءِ حق کا ایک بہت بڑا طبقہ اس عمل سے نہ صرف یہ کہ لاتعلق ہے، بلکہ ایسی کوششوں کا ناقد چلا آرہا ہے۔

بینکوں کی اصلاح کے ''مُبیَّنہ مقاصد'' کے پیشِ نظر اور ''بعض اہلِ فتویٰ'' کے شریک کار ہونے کی بنیاد پر بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ ناقد علماء کو اس ''کارِ خیر'' میں شریک ہونا چاہیے، اگر شریک نہیں ہوسکتے، اور ''مجوزین'' کی ''حوصلہ افزائی'' نہیں کرسکتے تو کم از کم اس میدان میں محنت کرنے والے علماء اور ماہرین کو ''ہدفِ تنقید'' تو نہ بنائیں۔ یہ سوال بظاہر بڑا وزنی اور معقول ہے، مگر بینکوں کی حالیہ اصلاحی کوششوں سے متعلق ناقد علماء کے ''تحفظات اور دوری کے اسباب'' کا وزن اس سوال کے وزن سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ذیل میں چند بنیادی تحفظات اور دوری کے اسباب پیشِ خدمت ہیں:

ا:- ''معاشی انسان'' اور ''معادی انسان'' کا نظریاتی وعملی موازنہ

بلاشبہ ''معاش'' انسان کا ایک بنیادی مسئلہ، ایک ضرورت، گزربسر کا ایک لازمی وسیلہ ہے، مگر مقصود ہرگز نہیں ہے۔ مقصودِ اصلی ''بندگی'' ہے، جبکہ ''معیشت'' ثانوی ضرورت ہے۔ البتہ اس وسیلہ سے بطور وسیلہ وابستگی میں نظریۂ معاش اگر نظریۂ معاد پر غالب آجائے تو بتلایا جائے کہ ایسی معیشت کو اسلامی کہا جاسکتا ہے یا محض زرپرستی؟

موجودہ اداروں کو اسلامی مالیاتی ادارے کہنے سے قبل اسلامی معاشی عقیدے کے طور پر اس فکر کی بیداری ناگزیر ہے، تاکہ جانا جاسکے کہ مسلمان' معاشی انسان کتنا ہے اور معادی کتنا ہے؟ جن مالیاتی اداروں کو اس وقت اسلامی کہا جارہا ہے، ان اداروں میں احتکارِ سرمایہ، اکتنازِ دولت، طمع ولالچ، حرصِ مال اور ہوسِ زر کی مذمت والی نصوص کس قدر قابلِ التفات ہیں، فکرِ مال کی فتنہ انگیزی بتانے والی نصوص زیادہ رائج نظر آتی ہیں، یا نفسِ مال کاری؟

روایت پسند علماء سمجھتے ہیں کہ یہ ادارے مسلمان صارف (کلائنٹ) کو اسلامی نظریۂ معاش دینے کی بجائے صرف اور صرف مال کی ذخیرہ اندوزی اور نفع اندوزی کے گُر اور ہنر سکھانے میں مصروف ہیں اور مروجہ مُرابحہ، ہاؤس فائنانس، کار اجارہ اور تکافل پالیسی مجوزین کے ہاں فرض یا واجب کی بجائے محض مباح ہی ہوسکتے ہیں، ان عقود کو وہ مباح کے درجہ میں رکھ کر استعمال کی بجائے اسلامی ضرورت اور دینی اقتضاء کے طور پر پھیلا رہے ہیں، جوکہ مسلمان کو ''معادی'' کی بجائے خالص ''معاشی'' انسان بنانے کی تگ ودو ہے۔ ایسے نظریہ پر عمل پیرا اداروں کو اسلام کی طرف منسوب کرنا نظریہ واعتقاد کے اصول سے غلط معلوم ہوتا ہے: ''**ومنهم من شغفوا بأمور المعاش واشتغلوا بها حتى لم يبق فرصة للاهتمام بأمر المعاد وتوقعه وتفكره۔**''

۲:- اسلامی معیشت کا ''اسلامی مفہوم''

جب ہم اسلامی معیشت کا نام لیتے ہیں تو اس کا حقیقی مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو مسلمان جس ذریعۂ روزگار سے وابستہ ہے، اس میں اسلامی احکام وآداب کا لحاظ رکھے۔ اگر محنت کش مسلمان' صنعت کار ہے تو صنعت کاری سے متعلق اسلامی احکام وآداب کو سامنے رکھے۔ اگر وہ اجارہ دار ہے تو اجارہ کے احکام اور اجیر کے حقوق سے متعلق تفصیلات کا لحاظ رکھے۔ اگر مسلمان' باغبان یا زمین دار ہے تو وہ اپنے میدان میں اسلامی احکام کے مطابق چلے۔ ہمارا ملک چونکہ زرعی ملک ہے اور ملکی معیشت کا اہم عنصر زراعت ہے، اس لیے پاکستان میں اسلامی معیشت کا اطلاق ملک کی زراعت پر ہونا چاہیے اور اسلامی معیشت کے نفاذ کا محور زرعی اصلاحات ہونی چاہئیں، جیسے ایگری کلچرل بینکوں کی اُٹھان کا بنیادی ہدف یہی بتایا گیا تھا، مگر یہاں زراعت اور دیگر شعبوں میں سرمایہ کاری توبے توجہی کا شکار رہے، اور سودی قرضوں کے نظام کو اسلامی قرار دینے کی پالیسی کو اسلامی معیشت کہا جارہا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ نام نہاد اسلامی بینک کاری کا سفر' اسلامی معیشت کی بجائے روایتی بینک کاری کی ترویج وتقویت کا سفر ہے، اس لیے روایت پسند علماء اس سے دور رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

۳ : - اسلامی معیشت اور غیر اسلامی معیشت میں ’’جوہری فرق‘‘

اسلامی معیشت اور غیر اسلامی معیشت میں جوہری فرق یہ ہے کہ تقسیمِ دولت کا انسانی معاشرے پر کیا اثر پڑا؟ امیر کی ثروت میں بڑھوتری کے ساتھ ساتھ غریب کی غربت میں کمی آئی یا نہیں؟ نام نہاد اسلامی بینکوں کو دیکھا جائے تو اُن کا اصول یہ ہے کہ چھوٹے تاجروں اور کمپنیوں کے ساتھ معاملات سے گریز کیا جائے۔ نام نہاد اسلامی بینک کاری کی شاخیں صرف بڑے شہروں تک محدود نظر آتی ہیں، اور صرف بڑے سرمایہ کاروں کے سرمائے کے فروغ اور گردش میں مصروف نظر آتی ہیں، ایسی معیشت جس میں سرمائے کی گردش مخصوص سرمایہ داروں کے درمیان چکر کاٹتی رہ جائے، اسے اسلامی طرزِ فکر پر مبنی معاشی نظام کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

۴ : - اسلامی بینک کاری یا مغربی بینک کاری کی ’’تقلید کورانہ‘‘ ؟

بینک ایک خالص مغربی طرزِ معاش کے فروغ کا ادارہ ہے۔ بینک کاری کی اسلام کاری کے لیے قدم اٹھانے سے قبل اسلامی معیشت کے عادلانہ مساواتی اُصول اور مغربی معاشی نظام کے استحصالی شکنجوں کا جو تقابل لازمی تھا، بینکوں کی موجودہ اسلام کاری میں یہ تقابلی موازنہ تو کجا اُلٹا مغربی بینک کاری کی ’’تقلید کورانہ‘‘ کا اُصول زیرِعمل ہے، بلکہ اسلامی اصولوں کی فوقیت کا ایمانی تقاضا بھی فراموش نظر آتا ہے۔ یہاں پہلے معاشی نظریہ اور طریقۂ تمویل‘ مغربی معاشی نظام سے مستعار لیا گیا ہے، پھر مصری طرزِ تطبیق پر اس کی فقہی تخریج فرمائی گئی ہے۔ ایسے طرزِ عمل پر شاہ ولی اللہؒ اور ان کے فکری پیروکار علمائے شریعت ’’تـدارؤ بـالـدین‘‘ (امرِ دینی کوٹالنے) کا خدشہ محسوس کرتے چلے آرہے ہیں، اور اسے ’’اتباع سنن من کان قبلکم‘‘ کے قبیل سے سمجھا جا تا رہا ہے۔

’’اسلامی بینک کاری‘‘ کے عنوان سے ’’اسلامی معاشی نظام‘‘ کو مغرب کا تابع محض اور اس کے پیچھے دوڑتا ہوا نظام ظاہر کیا گیا ہے۔ ایسے نظام کو ’’اسلامی‘‘ کہنا بے جا ہے۔

۵ : - مغربی نظام کی بالادستی اور اثر ونفوذ سے طوطا چشمی

موجودہ مجوزہ نظام بینک کاری کی واقعیت جانچنے سے قبل مغربی معاشی سرمایہ داری نظام کی بالادستی، چیرہ دستی اور اس نظام کے تحفُّظ وتفوُّق کے لیے مغربی معیشت کی سہ گانہ بنیادوں (سود، بینک کاری اور آزاد منڈی) اور دوگانہ اُصولوں (سیکولر ڈیموکریسی، آزاد منڈی کی معیشت پر کاربند سودی نظام) کا تجزیہ وتحلیل درکار ہے، جس سے یہاں طوطا چشمی برتی گئی ہے اور موجودہ تخیُّلاتی نظام کو اسلامی، آسمانی اور آفاقی باور کرایا جا رہا ہے، جسے ہر صاحبِ بصیرت خواب اور سراب ہی کہہ سکتا ہے۔

۶:- کل کے بغیر جزء کی اصلاح کے دعویٰ کی واقعیت

عالمی تناظر سے احوالِ زمانہ پر کھنے والے پیشواؤں سے ہرگز مخفی نہیں کہ کسی بھی ملک کا کوئی بھی بینک ہو، وہ عالمی بینک کاری کے اُکھل کی اکھنڈ ہی ہوتا ہے، بالخصوص تمام دنیا کی بینکوں کی ہولڈنگ اور کنٹرولنگ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ہی کرتے ہیں، دنیا میں جو بھی بینک قائم ہوتا ہے تو وہ ورلڈ بینک اور عالمی مالیاتی ادارے کے اصول وقواعد کا پابند ہوتا ہے، دنیا کا کوئی بھی بینک اس گرفت سے آزاد یا دور رہ کر اپنا بینک کاری وجود باقی نہیں رکھ سکتا، نیز کوئی بھی ملک اپنے وسائل سے اپنے طور پر مستفید ہو عالمی مالیاتی ادارے اس کی اجازت بھی قطعاً نہیں دیتے، بلکہ ایسی سرگرمی کے خلاف ہر محاذ سے جنگ مسلط کرنا مغرب کے لیے ایمانی اقتضاء کا درجہ رکھتا ہے۔ آج دنیا میں جتنی جنگیں برپا ہیں، ان کے پیچھے دنیا بھر کے معاشی وسائل پر قبضے کے محرکات ہی کارفرما ہیں۔ مغربی سرمایہ کاری کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ دنیا میں اپنی معاشی بالادستی پر کسی قسم کا سمجھوتہ روانہیں رکھتی، جس کی وجہ سے دنیا معاشی ناہمواری، طبقاتی تقسیم اور امن وامان کے مسائل سے دوچار ہے۔ یہ عالمی نظام کی وہی تباہ کاریاں ہیں جن سے نجات کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ''فک کل نظام'' کا الہامی نعرہ ونظریہ رواج پایا تھا، جو میدانِ عمل سے وابستہ ہمارے سیاسی بزرگوں کا ''شعار'' کہلاتا ہے، جس کی تمثیلی تعبیر کسی زمانے میں اپنے اِن بزرگوں سے یوں سنا کرتے تھے کہ: ''ٹونٹی بدلنے سے ناپاک مٹکا پاک نہیں ہوتا۔'' روایت پسند علماء اس نظریئے کو آج تک درست سمجھتے چلے آرہے ہیں، اس لیے ہمارے جیسا ہر طالب علم یہی کہتا ہے اور کہے گا کہ: ''کل کی اصلاح کے بغیر جزء کی اصلاح کا دعویٰ بے معنی ہے۔'' اس لیے روایت پسند علماء بینکوں کی اسلام کاری کے حالیہ سفر میں رفیقِ سفر بننے سے رہ گئے اور اس سفر اور منزل کی حسرت بھی نہیں رکھتے۔

۷:- بینکوں کا اصلی کام قرضوں کا کاروبار ہے

بینک کے تقریباً بڑے بڑے کام ایک درجن کے لگ بھگ ہیں، ان میں سے ایک کام سودی قرضوں کا عمل ہے۔ ساری محنت کا محور یہی ہوتا ہے، جو بینک کا بنیادی اور اصلی کام ہے۔ بینک کی اسلام کاری کی طرف جاتے ہوئے قرضوں سے متعلق شرعی مزاج دیکھنا چاہیے، قرضوں سے متعلق بیعِ صرف کے احکام کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، مگر بینکوں کے طرف دار حضرات' بینک کی ضرورت اور افادیت گنواتے اور منواتے ہوئے مجموعی کارکردگی کو موضوع بنا کر اس کی آڑ میں قرضوں کے کاروبار کو ضرورتِ زمانہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر نظریۂ ضرروت کے سہارے سودی قرضوں کے عمل کی اسلام

کاری کو اسلامی بینک کاری اور اسلامی معیشت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ بینک کا ضرورت ہونا الگ پہلو ہے، اور قرضوں کے کاروبار کا ضروری ہونا الگ معاملہ ہے، یہ طرزِ عمل دو وجہوں سے غلط ہے:

الف:...... غیر ضروری کو ضروری کہنا، کیوں کہ قرضوں کا کاروبار ہرگز ضروری نہیں ہے۔

ب:...... غیر ضروری اور ناجائز کے جواز کے لیے جائز اور ضروری اُمور کو ڈھال بنانا قرآن کریم کی رو سے یہ مشرکین مکہ کے ''إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا'' جیسا استدلال بنتا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں ''دسیسہ کاری'' کہلاتا ہے، اس لیے بینکوں کے اصلی کام (قرضوں کے کاروبار) کو اسلامی بینک کاری کہنا قطعی غلط ہے!۔

۸:- کیا قرضوں کا کاروبار اسلام میں جائز ہے؟

بینک اپنی اصل اور ساخت کے لحاظ سے نہ تو تجارتی ادارہ ہے اور نہ ہی معروف معنوں میں حقیقی تجارت کرنے کا مجاز ہے۔ اگر وہ تجارت کرتا ہے تو صرف اور صرف قرضوں کی تجارت کرسکتا ہے، زر کا لین دین کرسکتا ہے اور وہ یہی کرتا ہے تو پھر اسلامی بینک کا خلاصہ یہ ہوگا: حقیقی تجارت کے بجائے مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے قرضوں کے کاروبار کو جائز قرار دینا ہے، ورنہ وہ بینک' بینک نہیں رہے گا، جب اسلامی بینک کی حقیقت یہی ٹھہرتی ہے تو ظاہر ہے کہ قرضوں کا کاروبار نفع اندوزی کے لیے کیا جائے تو یہ آسان کام نہیں ہے۔

۹:- نام نہاد اسلامی بینک کاری اور ضرورت واضطرار کے اصول کا بے جا استعمال

اسلام کی طرف منسوب بینکوں کو جائز بنانے کے لیے مجوزین علماء نے ضرورت واضطرار کے نام پر کئی مسلمہ اصولِ شرعیہ سے غالباً صرفِ نظر کیا ہوا ہے، حالانکہ اکابر کے معاشی نظریات صاف بتاتے ہیں کہ ضرورت واضطرار اور عیش پرستی، زر اندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص وخواہش کے درمیان فرق ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے، کیوں کہ تمدنِ جدید کے ہر تقاضا اور مغرب کی نقالی کو اضطرارِ شرعی کے درجہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر نام نہاد اسلامی بینکوں کا حال یہ ہے کہ ضرورت واضطرار کے نام پر سودی قرضوں کو اپنی تمام تر کیفیات وخصوصیات کے ساتھ جائز قرار دیا جارہا ہے، حالانکہ کسی مجبور کے حق میں قرضہ' تو ضرورت اور اضطرار ہوسکتا ہے، بلکہ کارِ ثواب بھی ہے، مگر قرضوں کا کاروبار تو قطعاً ضرورت واضطرار نہیں کہلاتا، بلکہ ظلم، استحصال اور خدا ورسول کے خلاف اعلانِ جنگ کا نام ہے، جو ادارے ضرورت واضطرار کا نام لے کر اس خطرناک اعلانِ جنگ کے مواقع کی فراہمی اور مقاصد کی تکمیل کی راہ پر گامزن ہوں، انہیں اسلامی کہنا ایمانی لحاظ سے غیر معمولی امر ہے۔

۱۰:-بینک کاری کے ’’ضمانتی اصول‘‘ اور اسلامی تجارت کے ’’امانتی اصول‘‘ کا تقابلی جائزہ

بینک جب سودی ادارہ ہے تو سود کا متبادل سودی آلائشوں سے پاک تجارت ہی ہوگی: ’’أَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا‘‘ بینک کو تجارتی ادارے میں بدلنے کے لیے سرمایہ کار (بینک) کی تحویل میں سرمائے کی بابت بینک کاری کے ضمانتی اصول اور اسلامی تجارت کے امانتی اصول، نیز غیر متعین امکانی نفع اور متعین یقینی نفع کا نظریاتی قرب وبعد ناپنا بھی ضروری ہے۔ اسی تقابل کے ذریعہ ممکن ہوگا کہ بینک کاری اور اسلامی تجارت اپنے بنیادی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے یکجا ہوسکتے ہیں یانہیں؟! ماہرین فن بخوبی جانتے ہیں کہ نام نہاد اسلامی بینکوں میں سرمائے سے متعلق بینک کاری کا ضمانتی اصول پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہے، جب کہ برائے نام اسلامی تجارت کا امانتی اصول تاویلِ فاسد کے ذریعہ انتہائی بے رحمی وبے وقعتی کے ساتھ پائے مال نظر آتا ہے۔ نیز نفع کے امکانی اور یقینی تعیُّن میں محض لفظ ’’ان شاء اللہ!‘‘ کا فرق دکھایا گیا ہے۔ اس لیے موجودہ بینک کاری اداروں کو اسلامی کہنا غیر اسلامی کو اسلامی کہنے کی غلطی لگ رہا ہے، اس ڈر سے روایت پسند اس نظام کے قریب نہیں جا پا رہے۔

۱۱:-سودی بینک کے حالیہ متبادل کی حقیقت

ہمارے جیسے طلبہ جب حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور مفکرِ اسلام حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے معاشی افکار کے آئینے میں نام نہاد اسلامی بینک کاری کا چہرہ دیکھتے ہیں تو اس نام نہاد نظام کی مکروہ صورت اکابر کی فکر سے بالکل جدا گانہ نظر آتی ہے۔ اکابر کے ہاں تو سودی بینک کا متبادل ’’بینک‘‘ نہیں تھا، بلکہ سودی بینک کا متبادل ’’شرکت ومضاربت‘‘ پر مبنی تجارتی ادارہ تھا، جب کہ موجودہ بینکوں میں شرکت ومضاربت کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا، بلکہ اُلٹا سودی قرضے کو اپنے مکمل وضعی طریقے اور مکمل خصوصیات کے ساتھ مرابحہ مؤجلہ، جب کہ روایتی لیزنگ کو اجارہ کے عنوان سے قوام ودوام بخشا گیا ہے، اور بینکوں کی یا ۹۸% یا ۸۰% آمدن کا ذریعہ یہی دو تمویلی طریقے ہیں۔ یہ طریقے اکابر کو کبھی نہیں سوجھے تھے، بلکہ مال کاری کے یہ طریقے توضیائی دور (۸۱-۱۹۸۰ء) کی ضیاء پاشی کا نتیجہ ہیں، جو پہلے بیع مؤجل اور پٹہ داری کے عنوان سے متعارف ہوئے تھے، جنہیں اس وقت کے اہلِ دانش اور اربابِ فقہ وفتاویٰ نے سود کو چور دروازے سے داخل کرنے کی ناپاک جسارت قرار دیا تھا، پھر ۸۵-۱۹۸۴ء میں اسی ’’بیع مؤجل‘‘ اور ’’پٹہ داری‘‘ کو ’’مرابحہ‘‘ اور ’’اجارہ‘‘ کے نام سے اور ’’حسن قضاء‘‘ کے اضافے کے ساتھ رواج دینے کی سعی لا حاصل ہوئی تھی۔ یہی وہ مال کاری کے دو طریقے ہیں جنہیں ۱۹۹۲ء سے نئے رنگ روغن کے

ساتھ اسلامی معیشت کی تجدید بتایا جارہا ہے، البتہ یہاں ناموں میں اور مثالوں میں اتنی تبدیلی ضرور ہوئی کہ مرابحہ کے ساتھ مؤجلہ کا لاحقہ لگا اور اجارہ کے ساتھ ''منتهيه بالتمليك'' کا لفظ بڑھا دیا گیا، جب کہ مثال میں کھاد کی بوری کی جگہ ٹریکٹر کا لفظ رکھ کر ترمیم فرمائی گئی ہے۔ حالیہ اسلامی بینک کاری اسی نظام (۱۹۹۲ء والے) کی علمبرداری کی دعوے دار ہے۔ جن روایت پسند علماء کے سامنے بینکوں کی اسلام کاری سے متعلق اکابر کی تحریری کاوشیں موجود ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اکابر کا نظریۂ بینک کاری وہ نہیں ہے جس پر ہمارے معاصر علماء بینک کاری فرمارہے ہیں، بلکہ اکابر کے نظریہ سے انحراف کے باعث روایتی علماء معاصر بینک کار علماء کے ساتھ چلنے سے قاصر رہ گئے۔

۱۲:-ضیائی نظریۂ بینک کاری کی پذیرائی اور اکابر کے نظریۂ بینک کاری کی عدمِ پذیرائی کے عوامل

بینکوں کی اصلاح اور اسلام کاری کا عمل تقریباً ۱۹۶۰ء کی دھائی سے شروع ہوا تھا، ہمارے اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، حضرت مفتی محمود، حضرت مفتی ولی حسن اور حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں گراں قدر عملی وعلمی مآثر چھوڑے ہیں، مگر ان جبال العلم ہستیوں کی کاوشوں کو کبھی کسی نے قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا، مگر ۱۹۸۰-۸۱ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بینک کاروں کی رعایت اور ان کے مفادات کے تحفُّظ پر مبنی بینک کاری کا نظام پیش کیا تو بینک کار حضرات اُسے ہاتھوں ہاتھ لینے لگ گئے۔ اگر کسی نے وقتی طور پر تحفُّظ کا اظہار بھی کیا تو آگے چل کر وہی تحفُّظ اطمینان میں بدلتا چلا گیا، اب جب ہم اسلامی بینک کاری کی بات کرنے جارہے ہیں تو ہمیں اس میدان میں قدم رکھنے سے قبل یہ سوچنا لازم ہے کہ اکابر کے نظریۂ بینک کاری کو کبھی پذیرائی نہ ملنے اور ضیاء صاحب مرحوم کے سایۂ عاطفت میں پیش ہونے والے وقتی، عارضی اور عبوری نظریۂ بینک کاری کو قبول کرنے کے وہ جاذب عوامل آخر کیا ہیں؟ ان کی تشخیص ہونی چاہیے۔ نیز اس عبوری اور عارضی نظام سے متعلق کم از کم اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کے تأثرات ہی دیکھ لیے جائیں اور ۱۹۹۲ء کی مجلسِ بینک کاری کی روئیداد کے کم از کم مختصر حواشی کا مطالعہ ہی کرلیا جائے تو شاید مروجہ اسلامی بینک کاری ''علمی فتنہ'' کا رُتبہ نہ پاسکے۔ نظریاتی کونسل کی رپورٹ اور ۱۹۹۲ء کی روئیداد کے سرسری مطالعہ سے وہ عوامل بھی نظر آسکتے ہیں جو اس نظام کی قبولیت کا ذریعہ اور اکابر کے نظریہ کے قابل قبول بننے میں رکاوٹ بنتے رہے، اس لیے روایتی علماء اس نظام کی تائید سے کتراتے ہیں۔

۱۳:-تمویلی اداروں کی نظریۂ پیدائشِ دولت کی تشخیص کی ضرورت

کسی بھی مالیاتی/تمویلی ادارے کو اسلامی کہنے سے قبل اس ادارے کے پیداواری نظریئے کا

واضح ہونا لازم ہے۔ کسی بھی مالیاتی ادارے کا ''نظریۂ پیدائشِ دولت'' حصولِ دولت اور کسبِ مال کے لیے وہی درجہ رکھتا ہے جو انسان کے اعمال کی صلاح وصحت کے لیے ''ایمان'' کا درجہ ہوتا ہے۔ نام نہاد اسلامی بینکوں کی آمدن، کاروبار اور مال کاری کا بنیادی عنصر جب قرضوں کا لین دین ہی ہے اور اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے، بعض تجارتی اصطلاحات برائے نام، حیلۂ فاسدہ کے طور پر استعمال ہورہی ہیں، تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ نام نہاد اسلامی بینک کاری' اسلامی تجارت کے بجائے روایتی بینک کاری ہی کررہی ہے اور اس کی دولت آفرینی کے پیچھے پیدائشِ دولت کا وہی نظریہ کارفرما ہے جو اسلامی لاحقے سے خالی بینکوں کی نفع اندوزی کے پیچھے کارفرما ہے اور وہ ہے سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی نظریۂ پیدائشِ دولت اور معروف پیداواری عامل ''المال یلد المال''، یعنی عین اور محنت کے واسطے کے بغیر بھی پیسہ مال پیدا کرسکتا ہے، یعنی جس طرح اعیان (اشیاء) کا کرایہ جائز ہے، اسی طرح اَثمان (نقدی) کا کرایہ بھی جائز ہے اور اسی کرایہ کا بازاری نام ''سود'' ہے۔ اس لیے روایتی علماء نام نہاد اسلامی بینکوں کو اسلامی یا غیرسودی کہنے کی بجائے مغربی سرمایہ داری نظام کے فکری سانچوں میں ڈھلی ہوئی روایتی بینک کاری کا شائع وذائع چربہ ہی سمجھتے ہیں، ہمارا خیال یہ ہے کہ روایتی بینک کاری کو روایتی انداز واندام کے ساتھ استعمال کرنا معمولی جرم ہے، جبکہ روایتی بینک کاری کو اسلامی کے نام سے رواج دینا بڑا جرم ہے، اگر اس عمل سے علماء وابستہ ہوں اور اس نظام کی صحت کے لیے تاویلات وتزویرات کی راہ پر چلنے لگ جائیں تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ ''علماء سالفین'' والا مذموم عمل کہلائے گا اور یہ ''ترویج الاستنباطات الواھیۃ'' اور ''تاویل'' کے ذریعہ ایک جرم کو دوہرا جرم بنانے کے مترادف ہوگا، اس بناپر بجز چند علماء کے اس نام نہاد اسلامی بینک کاری سے ملک بھر کے اہلِ فقہ وفتویٰ دور ہیں اور عوام وخواص کو بھی یہی مشورہ دیتے ہیں۔

۱۴:-فلسفۂ ولی اللّٰہی اور تجدیدِ معیشت کی کاوش

مروَّجہ نظام کی نظریاتی بنیادوں کو اگر ولی اللّٰہی افکار اور اُن کے ارتفاقی اور عمرانی اُصولوں کے آئینے میں دیکھا جائے تو اس نظام میں حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ ملکیت، اُصولِ ارتفاق اور عقودِ باطلہ وفاسدہ کی ترویجی مہم کی بابت حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کردہ اسرار وحکم دوربین سے بھی دکھائی نہیں دیتے، بلکہ اس کے برعکس قابلِ اشکال عقود کو درست باور کرانے میں تاویلِ فاسد کا ارتکاب بڑی بے باکی سے نظر آتا ہے، چنانچہ بینکوں کی اسلام کاری کے حالیہ طرزِ عمل میں حضرت مجدد احمد سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ احمد دہلوی رحمہما اللہ کے تطہیری وتجدیدی مہک سے زیادہ دوسرے رُخ کی تجدیدی ہمک کا غلبہ محسوس ہورہا ہے، اس لیے اس نظام کو اسلامی معیشت کی تجدیدی کاوش کہنے اور سمجھنے

میں روایتی علماء کو تأمل رہتا ہے اور رہے گا ۔

۱۵: - اسلامی بینک کاری کی بنیاد اشتراکیت ، سرمایہ داری یا اسلام؟

بینکوں کی اسلام کاری کے عمل میں روایتی علماء اس لیے بھی شامل نہ ہوسکے کہ وہ ابھی تک میدانِ عمل سے وابستہ اکابرِ جمعیت کے ۱۹۷۰ء کے سرگودھا والے اس ’’دستورِ مستور‘‘ کی تلاش میں ہیں ، جس میں اکابر کے نظریۂ ملکیت ، تحدیدِ ملکیت ، زرعی اصلاحات ، مزدور کے حقوق اور سرمایہ دار کے استحصالی اقدامات کی بابت اسلامی فکر مہیا کرنے کی محنت ہوئی تھی ، انہیں اپنے سیاسی اکابر کے وہ معاشی افکار بھی درکار ہیں جن میں اسلامی مساوات اور بنیادی انسانی حقوق کا بیان تھا ، جس کی پاداش میں سرمایہ دار طبقے اور اس طبقے کے ہم نوا حضرات نے ہمارے سیاسی بزرگوں کو اشتراکی قرار دیا تھا اور ان کی کوششوں کو اسلامی لبادے میں سوشلزم اور کمیونزم کی ترویج قرار دیا تھا ۔ اگر اسلامی مساوات اور انسانی ہمدردی کا نعرہ سوشلزم اور کمیونزم کے ساتھ لفظی مشابہت کی وجہ سے موجبِ کفر تھا تو آج کیپٹل ازم کی فقہی تخریج کیسے تجدیدی کارنامہ بن گئی ؟ اور اس فکر پر قائم معاشی نظام کیسے قابلِ داد اور لائقِ رشک بن گیا ؟ روایتی علماء ایسے ’’معاییر‘‘ کی عیاری (پیمائشی عمل) سمجھنے سے قاصر ہیں ، اس لیے وہ ان بینکوں سے دوری کا مشورہ دیتے ہیں ۔

۱۶: - مجوزین کے ہاں غیرسودی بینک کاری کا پرانا تصور

نام نہاد اسلامی بینکوں میں غیرسودی بینک کاری کا وہ تصوُّر بھی مفقود ہے جو مجوزین کے بعض کبار اہلِ علم پیش فرمایا کرتے تھے ، وہ فرمایا کرتے تھے کہ :

’’جب ہم غیرسودی بینک کاری کا نام لیتے ہیں اور بینکنگ کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی بات کرتے ہیں تو اس کا منشأ یہ نہیں ہوتا کہ چند حیلوں کے ذریعہ ہم موجودہ طریق کار کو ذرا سا تبدیل کرکے سارا نظام جوں کا توں برقرار رکھیں ، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے پورے نظام کو تبدیل کرکے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں ، جس کے اثرات تقسیمِ دولت کے نظام پر بھی مرتب ہوں ، اور سرمایہ کاری کا اسلامی تصور یہ ہے کہ جو شخص کسی کاروبار کو سرمایہ فراہم کررہا ہے ، وہ یا تو نفع کا مطالبہ نہ کرے یا اگر نفع کا مطالبہ کرتا ہے تو نقصان کے خطرے میں بھی شریک ہو ، لہٰذا غیرسودی بینک کاری میں بنیادی طور پر اس تصوُّر کا تحفُّظ ضروری ہے ، اب اگر بینک کا سارا نظام مارک اَپ (مروجہ اسلامی بینک کاری میں اس مارک اَپ کا نام رِبح اور اُجرت رکھ دیا گیا ہے ۔[مرتب]) کی بنیاد پر اُستوار کرلیا جائے تو سرمایہ کاری کا یہ بنیادی اسلامی تصور آخر کہاں اطلاق پذیر ہوگا ؟ .....

کیا اس حیلے کے ذریعہ نظامِ تقسیمِ دولت کی مروجہ خرابیوں کا کوئی ہزارواں حصہ بھی کم ہو سکے گا؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو خدارا سوچئے! کہ مارک اَپ (مروجہ نام نہاد رِبح وکرایہ [مرتب]) کا حیلہ استعمال کرکے ہم اسلامی نظامِ سرمایہ کاری کا کیا تصوُّر دنیا کے سامنے پیش کررہے ہیں؟۔''

۱۷:- شبہ بالربوا سے اجتناب کا شرعی تقاضا

اگر اُمور بالا واقعیہ سے صرف نظر کرتے ہوئے مجوزین اور مانعین کی آراء کو ائمہ مجتہدین کی اختلافی آراء کے درجہ میں فرض کرلیا جائے تو بابِ ربا میں شبہۂ ربا سے اجتناب کا شرعی تقاضا یہی بنتا ہے کہ متدین طبقہ اس نظام سے دور رہے اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیا جائے۔

۱۸:- حلال وحرام کے اختلاف کا مخلص

نیز معاصر علماء کے اس اختلاف کو اگر فقہاء کے حلال وحرام والے اختلاف کے درجہ میں لے جاکر دیکھا جائے تب بھی اصولاً اجتناب واحتراز کا فیصلہ ہی کرنا ہوگا، کیونکہ حلال وحرام کے اختلاف کی صورت میں جانبِ حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

۱۹:- مباحات کے اختلاف میں اربابِ مناصبِ دینیہ کا طرزِ عمل

علیٰ سبیل التنزُّل اگر اس اختلاف کو حلال وحرام کی بجائے، مباحات کا اختلاف قرار دیا جائے تو بھی اہلِ تقویٰ، اصحابِ تدیُّن، اربابِ مراتب اور صاحبانِ مناصبِ دینیہ کے لیے پھر بھی اجتناب واحتراز ہی کا حکم ہوگا، نہ کہ اس نظام کے تحت چلنے والے اداروں کی ممبر شپ اور اس نظام کی تقویت کا ذریعہ بننا۔

۲۰:- بابِ حرمت میں اصولِ ورع وتقویٰ کو نظرانداز کرنے والے خلاف اور شقاق کا سبب اور ذمہ دار ہیں

بینکوں کی اسلام کاری کی حالیہ کوششوں سے دوری کے یہ چند اسباب ہیں جو نام نہاد اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری کو حرام سمجھنے اور بتانے کے لیے روایت پسند علماء کی مجبوری ہیں، یہ کسی کی بے جا مخالفت نہیں ہے، بلکہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول خلاف اور شقاق کے موردِ الزام وہی لوگ ہیں جو بابِ حرمت میں اصولِ ورع وتقویٰ کو نظرانداز کرتے ہوئے احتراز کی بجائے ابتلاء کے داعی ہیں۔

اللّٰہم أرنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہٗ وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہٗ

وصلی اللّٰہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

طہارت و نظافت: اسلام کا طرۂ امتیاز

مفتی محمد عبداللہ قاسمی
استاذِ فقہ وادب دارالعلوم حیدرآباد، انڈیا

طہارت و نظافت ایک مہتم بالشان عمل ہے، آدمی کے لیے باعثِ زیب و زینت ہے، ایک سلیم الطبع انسان کے لیے سرمایۂ عز و افتخار ہے، متمدن اور مہذب لوگوں کا شعار ہے، ترقی یافتہ اور زندہ دل قوموں کی پہچان ہے، اسلام اور مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

نفاست و پاکیزگی دل کو آسودگی و فرحت عطا کرتی ہے، ذہن کو تازگی و بالیدگی بخشتی ہے، قلب و دماغ کو معطر کرتی ہے۔ صفائی و ستھرائی کا اہتمام کرنے سے انسان کو اُنس و سرور حاصل ہوتا ہے، دل جمعی و یکسوئی حاصل ہوتی ہے، ذہنی تشویش و پراگندگی دور ہوتی ہے، حفظانِ صحت میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پوری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر سُو اندھیرے کی حکمرانی تھی، طہارت و نظافت سے بے اعتنائی ولاپرواہی تھی، بدن اور کپڑے کی صفائی کو معیوب خیال کیا جاتا تھا، غسل کرنے کو جرم سمجھا جاتا تھا۔ بوسیدہ، بدبودار اور میلے گندے کپڑوں میں رہنے کو لازم اور ضروری قرار دیا جاتا تھا، بغل اور ناف کے بالوں کو تراشنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بعض نصرانی راہب اپنے جسم پہ لباس زیب تن نہیں کرتے تھے، اور قابلِ ستر اعضاء کو جسم کے غیر معمولی طور پر بڑھے ہوئے بالوں کے ذریعہ چھپاتے تھے۔ اتھینس نامی راہب کا بیان ہے کہ اس نے زندگی بھر اپنے پیر نہیں دھوئے۔ ابراہام نامی راہب کہتا ہے کہ: میں نے پچاس سال تک اپنے چہرے اور پیر کو پانی سے تر نہیں کیا۔ اسکندریہ کے ایک راہب نے جب عیسائیوں کو غسل کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا تو کافی افسوس اور رنج وغم کا اظہار کیا، اور کہا کہ: کچھ عرصہ پہلے ہم چہرے پر پانی ڈالنا حرام خیال کرتے تھے۔ افسوس! آج ہم لوگ پورے جسم پر پانی بہا رہے ہیں۔ (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين، ج:۱، ص:۱۵۱)

مغرب کے لوگ اگرچہ اپنے کو مہذب اور متمدن بتاتے ہیں، متانت وسنجیدگی اور تہذیب وشائستگی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں؛ لیکن کچھ صدیوں پہلے ان کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ پاپائے روم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک پر جب کفر کا فتویٰ لگایا تو اس پر ایک بڑا الزام یہ تھا کہ وہ روزانہ غسل کرتا ہے۔ پاپائے روم روزانہ غسل کرنے والے عیسائیوں کو کافر قرار دیتا تھا، ایسے کافروں کو سزا دینے کے لیے پاپائے روم نے ۱۴۷۸ء میں ایک مذہبی عدالت قائم کی، اور روزانہ غسل کرنے کی پاداش میں پہلے ہی سال دو ہزار افراد کو زندہ جلا دیا گیا، اور ستر ہزار کو قید وبند کی سزائیں جھیلنی پڑیں۔ میلے کچیلے لباس پہننے کی وجہ سے جوؤں کی یہ کثرت تھی کہ جب برطانیہ کا پادری باہر نکلتا تو اس کی قباء پر سینکڑوں جوئیں پھرتی نظر آتی تھیں۔ جب اندلس میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہوا، اور عیسائیوں نے زمامِ اقتدار سنبھال لی، تو فلپ دوم نے تمام حمام بند کرنے کا فرمان جاری کیا، اور اس نے اشبیلیہ کے گورنر کو محض اس لیے معزول کردیا کہ وہ روزانہ ہاتھ منہ دھوتا ہے۔

یہی کچھ حال ہندوازم کا بھی ہے۔ ہندو مذہب کے پیروکاروں کے یہاں طہارت وصفائی کا کوئی تصور نہیں ہے، ان کی مذہبی کتابوں میں نفاست وپاکیزگی کے طور طریقے بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ ہندو دھرم کے اندر انسان اپنے مزاج ومذاق کے مطابق حیوانوں کی سی زندگی گزار سکتا ہے۔ چند سال قبل ہندوستان کے سابق وزیراعظم مرارجی ڈیسائی کا یہ بیان ملک کے مشہور ومعروف جرائد اور بڑے بڑے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ میں روزانہ صبح اپنا پیشاب پیتا ہوں۔

سکھوں کے یہاں سر، مونڈھے، زیرناف کے بال تراشنے سے انسان مذہب سے خارج ہوجاتا ہے، ختنہ کرنا ان کے یہاں بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب طہارت وصفائی کی تعلیمات سے یکسر خالی ہیں؛ بلکہ ان مذاہب میں طہارت وصفائی کا اہتمام کرنے والا انسان قابلِ سزا سمجھا جاتا ہے۔ یہ مذہبِ اسلام کا ہی طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے نظافت وطہارت پر غیرمعمولی توجہ دی ہے۔ گم گشتہ راہِ انسانیت کو اس سلسلہ میں اعلیٰ درس دیا ہے، بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس کے آداب اور طور طریقے بیان کیے ہیں، جن کو اختیار کرنے سے ایک سلیم الطبع انسان کو آسودگی اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، غیرمعمولی فرحت وشادمانی حاصل ہوتی ہے، چہرے پر تازگی اور نورانیت محسوس ہوتی ہے۔

اسلام نے طہارت وصفائی کی بڑی تاکید کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب دوسری مرتبہ وحی نازل ہوئی تو

نبوت کی بھاری ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے جہاں دیگر ہدایتیں دی گئیں، وہیں ایک ہدایت یہ بھی دی گئی کہ ''آپ اپنے کپڑے کو پاک وصاف رکھیے۔'' (القرآن، المدثر:۴) طہارت وپاکیزگی اللہ عزوجل کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں میں سے ہے۔(القرآن،البقرۃ:۲۲۲)

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین استنجاء کے بعد ڈھیلا اور پانی دونوں استعمال کرتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی، اور قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

''**فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّالْمُطَّهِّرِيْنَ**۔'' (القرآن، التوبہ:۱۰۸)

''اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں، اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکی کو آدھا ایمان قرار دیا ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ صاف ستھرے ہیں، اور صفائی ستھرائی کو پسند فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''**تنظفوا بكل ما استطعتم، فإن اللّٰه تعالیٰ بنی الإسلام علی النظافة ، ولن يدخل الجنة إلا كلُ نظيف**۔''

''اپنی وسعت وحیثیت کے بقدر پاک وصاف رہنے کا اہتمام کرو، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی بنیاد ہی نظافت پر رکھی ہے، اور جنت میں داخل ہی وہ شخص ہوگا جو پاک وصاف رہنے کا اہتمام کرتا ہو۔''

نماز اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے، اس کی ادائیگی کے لیے بھی جسم، کپڑے اور جگہ کی طہارت کو شرط قرار دیا گیا ہے، پھر وضو پر وضو کی ترغیب، ریح خارج ہو تو وضو کا حکم، جسم کے کسی حصہ سے خون نکلے تو وضو کا حکم، ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کا حکم، وضو کے وقت مسواک کی ترغیب، کلی کرتے وقت غرغرہ کی ترغیب، ناک کی آلائش کو صاف کرنے کا حکم، جنابت لاحق ہونے کے بعد غسل کرنے کی تاکید، غسل میں ممکنہ حد تک پورے جسم پر پانی بہانے کا حکم، زائد مونچھوں کو تراشنے کا حکم، مونڈھے کے بالوں کو اُکھاڑنے کا حکم، زیرِناف بالوں کی صفائی کا حکم، ہر ہفتہ ناخن کاٹنے کا حکم، استنجاء میں ڈھیلے اور پانی دونوں کو جمع کرنے کی ترغیب، بیت الخلاء میں جوتے پہن کر داخل ہونے کا حکم، پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم، قضائے حاجت کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ کر دھونے کا حکم، نیند سے بیدار ہونے کے بعد پانی استعمال کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

پانی اگر موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال سے ضررِ شدید لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کا حکم دیا گیا ہے، جس میں اگرچہ چہرہ اور ہاتھ گرد وغبار سے کچھ نہ کچھ آلودہ ہوجاتے ہیں، تاہم نفسیاتی طور پر صفائی وستھرائی کا احساس باقی رہتا ہے، اور ذہنی طور پر انسان اپنے کو پاک وصاف سمجھتا ہے۔

یہ تمام باتیں ایک انسان کو طہارت وصفائی کے حوالہ سے حساس بناتے ہیں، اور انسان کو نفاست پسند، پاک باز، خوش منظر اور خوش جمال بناتے ہیں۔

احادیثِ شریفہ میں طہارت وصفائی کے بڑے فوائد بیان کیے گئے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ:

''جو شخص پاکی کی حالت میں سوتا ہے' فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعاء کرتے ہیں۔''

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، حدیث نمبر:۱۱۴۴)

ایک روایت میں ہے کہ:

''جو شخص اپنے گھر، آنگن اور استعمال کی چیزوں کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرتا ہے تو اس سے فقر وتنگ دستی دور ہوتی ہے، اور غنا ومال داری نصیب ہوتی ہے۔'' (کنز العمال، حدیث نمبر:۲۵۹۹۹)

ایک روایت میں آتا ہے کہ:

''جو شخص اچھی طرح وضو کرکے مسجد میں جانے کا اہتمام کرے تو وہ نماز کی حالت میں شمار کیا جاتا ہے، جب تک کہ اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔''

ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

''قیامت کے دن وضو کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ کے اعضاء خوب چمکدار اور روشن ہوں گے اور اسی سے آپ ﷺ اپنی اُمت کو پہچانیں گے۔'' (بخاری شریف، حدیث نمبر:۱۳۶)

طہارت ونظافت کا اہتمام نہ کرنے پر احادیث شریفہ میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''عام طور پر عذابِ قبر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔'' (ابن ماجہ، حدیث نمبر:۳۴۸)

ایک روایت میں آتا ہے کہ:

''آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے، اور فرمایا کہ: ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہورہا ہے؛ کیوں کہ ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔'' (بخاری، حدیث نمبر:۲۱۶)

ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''جس گھر میں جنبی ناپاک شخص ہو، اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

(ابوداود، حدیث نمبر: ۲۲۷)

اس کے علاوہ طہارت ونظافت کا اہتمام کرنے سے انسان کو طبی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، صفائی ستھرائی حفظانِ صحت میں معین ومددگار ثابت ہوتی ہے۔ نفاست وپاکیزگی کا اگر کوئی انسان التزام کرلے تو بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہوسکتی ہے۔ شرعی اور طبی نقطۂ نظر سے جہاں ایک انسان کے لیے نفاست وپاکیزگی کا اہتمام ضروری اور ناگزیر ہے، وہیں عقلِ انسانی بھی نفاست وپاکیزگی کی متقاضی ہے۔

جو انسان طہارت وصفائی کا اہتمام کرتا ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، خوش اخلاقی اور ملنساری سے پیش آتے ہیں، مجلس میں آگے جگہ ملتی ہے، اس کے برعکس جو انسان گندہ رہتا ہے، میلے کچیلے لباس پہنتا ہے، اپنی وضع اور ہیئت کو خوش منظر نہیں بناتا ہے تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں، اس کو دیکھ کر لوگوں کو انقباض اور تکدر ہوتا ہے، مجلس میں پیچھے جگہ ملتی ہے، معاشرہ کے اندر ایسے انسان کو عزت اور عظمت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

موجودہ دور میں مسلمانوں میں دین بیزاری اور احکامِ شریعت سے غفلت ولاپرواہی عام ہے، اسلام کی ساری تعلیمات وہدایات کو وہ فراموش کربیٹھے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں انگریزی تہذیب وکلچر کی جڑیں گہری ہوچکی ہیں۔ مسلم معاشرہ سے اسلامی اطوار وعادات ناپید اور عنقاء ہوگئے ہیں۔

طہارت ونظافت جو کبھی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا، سرمایۂ عز وافتخار تھا، افسوس! آج مسلمان اس سے بیگانہ ہوگئے ہیں۔ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی طہارت ونظافت کے احکام سے ناآشنا اور نابلد ہیں، وضو اور غسل کے فرائض تک کا ان کو پتہ نہیں۔ نجاست وناپاکی کے ازالہ کا طریقہ کیا ہے، کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، استنجاء کے آداب کیا ہیں، جنابت کے احکام کیا ہیں، حیض ونفاس کے احکام کیا ہیں، اس جیسے روزمرہ پیش آنے والے عام مسائل کی نئی نسل کو خبر نہیں۔ یہ صورت حال کافی افسوسناک اور غم انگیز ہے۔

موجودہ زمانہ میں ضرورت ہے اس بات کی کہ نئی نسل کے سامنے طہارت وصفائی کی اہمیت اور عظمت کو اُجاگر کیا جائے۔ طہارت کے بنیادی احکام سے انہیں روشناس کرایا جائے۔ اسلامی تہذیب وثقافت سے محبت کا نقش ان کے دلوں میں بٹھایا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو حق بات سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

تمسخر دشمنی کا باعث ہوتا ہے۔ (حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

ریاستِ مدینہ کیسی ہو......؟!

مولانا سید عبدالوہاب شیرازی
چنارکوٹ، مانسہرہ- فاضل جامعہ محمدیہ، اسلام آباد

پاکستان کے موجودہ وزیراعظم نے الیکشن سے قبل بھی اور خاص طور پر الیکشن جیتنے کے بعد کئی بار پاکستان کو ’’ریاستِ مدینہ‘‘ بنانے کے عزم کا اظہار کیا اور ریاستِ مدینہ کے کچھ کارناموں کا ذکر بھی کیا۔ لیکن ایک عام پاکستانی شہری بالخصوص ایک عام مسلمان کے ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کیا ہے؟ اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ریاستِ مدینہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ وہ حکومت تھی جو مدینہ میں قائم ہوئی اور پھر پھیلتی چلی گئی، جسے خلافتِ راشدہ بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس ریاستِ مدینہ میں کیا کیا خوبیاں تھیں اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں، اس لیے پاکستانی عوام کو یہ بتانا اور ایجوکیٹ کرنا نہایت ضروری ہے کہ ریاستِ مدینہ کیا تھی اور اس ریاست نے اس معاشرے میں کیا کیا اصلاحات کیں اور ان کے کیا اثرات اور نتائج مرتب ہوئے؟!

آپ اکثر سیرت کے جلسوں اور مختلف بیانات میں قرآن پاک کی یہ آیتِ کریمہ سنتے ہوں گے:

’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔‘‘ (الاحزاب:۲۱)

’’تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نمونہ ہے۔‘‘

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام انسانوں کے لیے نمونہ ہے، بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاست تمام دنیا کی ریاستوں کے لیے نمونہ ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ انسانی زندگی کے چھ گوشے ہیں، یعنی ہر انسان کا اپنی زندگی میں ان چھ گوشوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح تعلق ضرور رہتا ہے، اور یہی چھ گوشے مل کر ایک مکمل انسانی زندگی کا نمونہ دکھاتے ہیں:

۱:-عقائد	۲:-عبادات	۳:-رسومات
۴:-معاشرت	۵:-معیشت	۶:-سیاست

دنیا کا ہر انسان کسی نہ کسی حد تک اپنی زندگی میں ان چھ گوشوں کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی عقیدہ ہوتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔ ہر آدمی کی زندگی میں کوئی نہ کوئی طریقۂ عبودیت ہوتا ہے۔ ہر آدمی کچھ نہ کچھ رسومات رکھتا ہے۔ ہر آدمی اجتماعی زندگی میں معاشرے کا حصہ ہوتا ہے اور اس کا کسی نہ کسی طور پر معیشت اور سیاست کے ساتھ بھی تعلق اور واسطہ ہوتا ہے۔

ریاستِ مدینہ کی یہی واحد خوبی تھی کہ اس نے انسانی زندگی کے ان چھ گوشوں میں ایسی ایسی اصلاحات کیں کہ نہ اس سے پہلے کوئی کر سکا اور نہ اس کے بعد۔ ان چھ گوشوں کا اجمالی تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

ا:-عقائد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت ملی تو آپ نے سب سے پہلا کام لوگوں کے عقائد و نظریات کی درستگی کا کیا، اور عرب کے اس جاہل معاشرے میں نظریۂ توحید کی داغ بیل ڈالی۔ عرب کے اس معاشرے میں لوگوں کے مختلف عقائد تھے، کوئی ایک خدا مانتا تھا تو کوئی تین، کوئی لاکھوں خدا مانتا تھا تو کوئی بالکل بھی نہیں۔ لوگ اپنا خدا اپنے ہاتھوں سے بناتے اور پھر اس کے سامنے جھک جاتے۔ درباروں، مندروں اور آستانوں پر چڑھاوے دیئے جاتے جس سے ان کو ہر گناہ کرنے کی آزادی مل جاتی، لیکن ریاستِ مدینہ کے بانی نے سب سے پہلے عقیدہ کا نعرۂ مستانہ بلند کیا، کیونکہ عقیدہ ہی وہ پہلا پتھر ہے جو درست ہو جائے تو زندگی کا دھارا بدل جاتا ہے۔ ایک شخص نہ کسی خدا کو مانتا ہو اور نہ کسی حساب کتاب کو، تو پھر وہ اپنے پیٹ کا پُتر ہوتا ہے، اس کی ساری تگ و دو، ہر محنت کوشش کا محور اپنا پیٹ، اپنے بچے، اور اپنا گھر ہوتا ہے، نہ اُسے حلال و حرام کی تمیز ہوگی اور نہ صحیح اور غلط کی۔ لیکن اگر اس کا عقیدہ بدل دیا جائے، تو صرف عقیدے کے بدلنے سے اس کی زندگی میں اتنی بڑی تبدیلی آ جائے گی کہ وہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے سوچے گا کہ آیا یہ درست ہے یا غلط؟! حرام ہے یا حلال؟! نہ اس کی نگرانی کی ضرورت ہوگی اور نہ ڈنڈے کی۔ لہٰذا آج بھی اگر کوئی ریاستِ مدینہ بنانا چاہتا ہے تو اسے ریاست کے باسیوں کے عقائد اور نظریات کو درست کرنے کی فکر کرنی ہوگی، اور لوگوں کو ایک اللہ کا بندہ اور آخرت میں حساب و کتاب اور جواب دہ ہونے کا احساس دلانا ہوگا۔

۲:-عبادات

موجودہ وزیرِاعظم کی تقریبِ حلف برداری کے آغاز میں جو تلاوت ہوئی تھی اس میں سورۂ حج کی آیت نمبر:۴۱ پڑھی گئی تھی:

’’اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔‘‘ (الحج:۴۱)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ اگر ہم اُنہیں حکمرانی عطا کریں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور نیکیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے منع کریں۔ اس ایک آیتِ کریمہ میں حکمرانی کرنے کا پورا طریقہ بتا دیا گیا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریاستِ مدینہ میں سب سے پہلا کام یہی کیا گیا۔ ریاست کا آغاز ہی مسجدِ نبوی کی تعمیر سے ہوا، جس سے پتا چلتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کی پہلی ترجیح مساجد کی تعمیر تھی، نہ کہ مساجد ڈھانا۔ پھر صرف تعمیر پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ مسجد کو اس کا حقیقی مقام بھی دیا گیا۔ اُمورِ مملکت کے اہم فیصلے مسجد میں ہوا کرتے تھے، ریاستِ مدینہ کی مقنّنہ مسجد میں ہی تھی، ریاستِ مدینہ کا جی ایچ کیو بھی مسجد تھا، ریاستِ مدینہ کی سپریم کورٹ بھی مسجد میں ہی تھی۔ الغرض ریاستِ مدینہ کے تمام اُمور مسجد میں طے ہوتے تھے، ریاستِ مدینہ کے لشکر فوجی ہوں یا سفارتی سب مسجد سے روانہ ہوتے تھے۔ اور خاص طور پر خارجہ اُمور اور باقی ممالک کے سفارتی وفود سے مذاکرات اور ملاقاتیں مسجد میں ہی ہوتی تھیں۔ ریاستِ مدینہ نے اپنی نیشنل یونیورسٹی کا درجہ بھی مسجد کو ہی دیا ہوا تھا۔

سورۂ حج کی آیت کریمہ کی روشنی میں ریاستِ مدینہ میں نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ اس نہج پر قائم کیا ہوا تھا کہ کسی کو اس بات کی جرأت و ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ نماز یا زکوٰۃ چھوڑ سکے، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی اس بات کی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ وہ نماز اپنے گھر میں پڑھے، تمام لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ جو بیمار ہوتا تھا اُسے بھی دو آدمیوں کے سہارے لاکر مسجد کی صف میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ ہم تو یہ دیکھتے تھے جو کھلم کھلا منافق ہوتا تھا، اس کی کبھی کبھی (نوٹ کریں کبھی کبھی) جماعت کی نماز چھوٹ جاتی تھی، ورنہ کسی عام منافق کو بھی جماعت چھوڑنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ دوسری طرف ایک غلط فہمی کی وجہ سے ایک قبیلے کے بارے میں پتا چلا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے تو اس کے خلاف لشکر کشی کی تیاری شروع ہوچکی تھی، جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاستِ مدینہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے بارے جو پالیسی اختیار کی وہ سب کے سامنے ہے۔

۳:- رسومات

قرآن حکیم کی سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے ریاستِ مدینہ کے بانی، شاہِ عرب، ہادیِ اعظم،

سرورِ کونین، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف بیان کیا ہے:

’’وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔‘‘ (الاعراف:۱۵۷)

’’اوران پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔‘‘

عرب کے اس معاشرے میں جو جاہلیت کے بوجھوں تلے دبا ہوا تھا اور طرح طرح کی خودساختہ بندشوں میں جکڑا ہوا تھا، ریاستِ مدینہ نے ان تمام بوجھوں کو اتارا، اور تمام بندشوں کو کھول کر لوگوں کو آزاد کیا۔ طرح طرح کی من گھڑت رسومات اور رواج، جن کے نہ سر تھے نہ پاؤں، ریاستِ مدینہ نے سب کو ختم کر کے لوگوں کے بوجھ ہلکے کیے۔ لوگوں کو بتایا کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟! کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟! ان غلط رسومات کے خاتمے کے ساتھ ساتھ اصل اور صحیح رسومات کا اجراء بھی کیا۔

رسومات خوشی کے مواقع کی ہوں یا غمی کے مواقع کی، ان کا صحیح طریقہ بتایا، اور بدعات و خرافات کا مکمل صفایا کیا، لہٰذا آج بھی اگر کوئی ریاستِ مدینہ کی طرز پر ریاست بنانا چاہے تو اسے لوگوں کو ان بوجھوں سے ہلکا اور ان بندشوں سے آزاد کرنا ہوگا جن میں لوگ جکڑے جا چکے ہیں اور نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ جہیز، مہندی، اور لڑکی کے گھر کھانے کی رسومات وہ ناسور ہیں جنہوں نے ہمارے معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی طرح فوتگی اور اس کے بعد کی رسومات کا معاملہ ہے کہ مرنے والے کا تیجہ، قل اور خیرات ہو جائے تو وہ بخشا بخشایا ہو جاتا ہے، گویا شادی کی رسومات نے لوگوں کی دنیا اور فوتگی کی رسومات نے لوگوں کی آخرت خراب کر کے رکھ دی ہے۔

۴:- معاشرت

ریاستِ مدینہ نے اپنے معاشرے کو جدید خطوط پر استوار کیا، اور جاہلیت کا وہ سارا گند صاف کیا جس نے عرب معاشرے کو لپیٹا ہوا تھا۔ ریاستِ مدینہ نے عدل وقسط پر مبنی معاشرہ کھڑا کیا، جس میں قانونی مساوات کو رائج کیا۔ قانون سب کے لیے ایک تھا، امیر غریب کا کوئی فرق نہیں تھا۔

ایک فاطمہ نامی عورت جب چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تو اس کے قبیلے والے ہر قسم کی سفارشیں، رشوتیں دینے کے لیے تیار ہو گئے کہ کسی طرح اس عورت کو قانون کے ہاتھوں سے چھڑا دیا جائے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میری بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عدالت کے طلب کرنے پر عدالت میں پیش ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے گورنر کے بیٹے کو سرعام کوڑے مارے اور یہ ثابت کیا کہ ریاستِ مدینہ میں

قانون سب کے لیے برابر ہے۔ معاشرے کی تعمیر وترقی کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ قانون کی بالادستی ہو اور قانون میں امیر غریب، چھوٹے بڑے طبقے کا فرق مٹا دیا جائے۔

ریاستِ مدینہ نے معاشرے کی سطح پر دوسرا بڑا کارنامہ فحاشی اور عریانی کو مٹانے کے حوالے سے کیا اور لوگوں میں پردے کا نظام رائج کیا۔ محرم اور غیر محرم کا فرق لوگوں کے ذہن میں بٹھایا۔

ریاستِ مدینہ نے معاشرے کی سطح پر تیسرا بڑا کارنامہ خواتین کے حقوق بالخصوص شادی میں زبردستی، وراثت سے محروم رکھنا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا اور عورتوں کے حقِ ملکیت کو ثابت کرنے کے حوالے سے سرانجام دیا۔ اور لوگوں کو بتایا: عورت مال نہیں انسان ہے، اور حقِ ملکیت بھی رکھتی ہے۔ کوئی کسی عورت سے زبردستی شادی نہیں کرسکتا، کوئی عورت کے حقِ وراثت کو دبا نہیں سکتا۔ مرد وعورت دونوں کے حقوق ہیں، البتہ دائرہ کار علیحدہ علیحدہ ہے۔

۵:-معیشت

ایک وقت وہ تھا جب لوگوں نے بھوک کی شدت کم کرنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھے ہوتے تھے، اور پھر چند سال بعد ایسا دور بھی آیا کہ ریاستِ مدینہ میں زکوۃ دینے والے تو تھے، لیکن زکوۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ یہ سب کچھ ریاستِ مدینہ کی ان شاندار پالیسیوں کے نتیجے میں ممکن ہوا جو اس ریاست نے اختیار کیں۔ ان میں سب سے اہم چیز سود پر مکمل پابندی تھی، جس کی وجہ سے غریب کو سر اُٹھانے کا موقع ملا اور امیر کے منہ میں لگام ڈال دی گئی۔ یہی وہ بنیادی پتھر تھا جسے اُٹھاتے ساتھ ہی ریاست کی معیشت ترقی کرنا شروع ہوئی۔

ریاستِ مدینہ نے ارتکازِ دولت پر بھی پابندی لگا دی اور ایسی ایسی پالیسیاں جاری کیں کہ دولت چند ہاتھوں تک سمٹ کر نہ رہ جائے، بلکہ دولت ہر وقت حرکت میں رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سود حرام اور زکوۃ فرض قرار دی گئی، یعنی ناجائز طریقے سے کوئی دولت اکٹھی نہیں کرسکتا، اور جائز طریقے سے اکٹھی کی گئی دولت بھی ایک حد کے بعد ایک خاص مقدارِ زکوۃ کی صورت لٹا دی جائے گی۔

اس کے علاوہ ریاستِ مدینہ نے امیروں پر زکوۃ تو فرض کی، لیکن غریبوں پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ آج ریاستِ پاکستان امیروں کو تو طرح طرح کی چھوٹ دیتی ہے، لیکن غریب سے ایک سوئی سے لے کر کھانے پینے کی بنیادی چیزوں یہاں تک کہ بچے کی تعلیم کے لیے خریدے گئے بال پن اور بسترِ مرگ پر لیٹے بیمار کی گولی تک ہر چیز پر ٹیکس وصول کرتی ہے۔ کئی چیزیں تو ایسی ہیں کہ جتنی ان کی اصل قیمت ہے، اس کے قریب قریب ہی اس پر ٹیکس لگا دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی بھی

دل جمعی، خلوص، اور محنت سے کام نہیں کرتا بلکہ لوٹ مار، دھوکہ، فراڈ، اور غلط ذرائع سے دولت جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ریاستِ مدینہ شہریوں کو لوٹنے کے بجائے ان کی کفالت کرتی تھی۔ ریاستِ مدینہ شہریوں کی خوراک، صحت اور تعلیم کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ریاستِ مدینہ نے ریاست کے خلاف لڑنے والے سزائے موت کے مستحق دہشت گردوں کو صرف اس شرط پر رہا کردیا تھا کہ آپ ہمارے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں، چنانچہ ایسے دہشت گردوں کو شرط پوری کرنے پر ریاستِ مدینہ نے بطور صلہ تختۂ دار سے رہائی بھی دی۔

ریاستِ مدینہ نے اپنی نیشنل یونیورسٹی میں پڑھنے والے طالب علموں سے کبھی فیس نہیں لی، بلکہ لوگوں کو ترغیب دی کہ ان کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون کیا جائے۔ صحت کے میدان میں ریاستِ مدینہ بچے جننے والی ماؤں کو اس درد و الم کی گھڑی میں لوٹتی نہیں، بلکہ اس نے پیدا ہونے والے بچوں کے وظائف جاری کیے۔

۶:- سیاست

ریاستِ مدینہ کی سیاست کے دو بنیادی نکتے تھے: ایک یہ کہ مقتدرِ اعلیٰ اور حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ دوم یہ کہ دعوتِ حق کا فروغ کیا جانا چاہیے، چنانچہ ریاستِ مدینہ کی ساری سیاست اسی نکتے کے گرد گھومتی تھی۔ کوئی لشکر روانہ کرنا ہو یا مذاکرات، خارجہ پالیسی ہو یا عسکری پالیسی، انہیں دو نکتوں کو مدنظر رکھ کر بنائی جاتی تھی، چنانچہ ایک وقت وہ تھا کہ ریاستِ مدینہ کے بانی صلی اللہ علیہ وسلم کو غار میں پناہ لینا پڑی، اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا، لیکن چند سال بعد وہ وقت آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کی سپر پاور طاقتوں روم و ایران کے بادشاہوں کو اسلام میں داخل ہونے کے خطوط لکھے اور دعوتِ حق کے فروغ کو عرب سے نکل کر عجم میں پھیلانا شروع کردیا۔

یہ تھی وہ ریاستِ مدینہ جس کے نام کو استعمال کرکے الیکشن کمپئین بھی چلی اور اب اسی نام پر حکومت بھی چل رہی ہے۔ ہم کسی کے خلوص میں شک تو نہیں کرتے کہ دل چیر کر دیکھا نہیں جاسکتا، لیکن امید اور دعا ضرور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکمرانوں کو بھی اور ہم سب کو ریاستِ مدینہ کی طرز پر پاکستان کی ریاست کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

داعی الی اللہ، مبلغِ اسلام، استاذ الحدیث

حضرت مولانا محمد جمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حادثۂ وفات کے چند دن بعد ۱۷ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۶ / نومبر ۲۰۱۸ء بروز پیر رائیونڈ مرکز کے دوسرے بزرگ، داعی الی اللہ، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد جمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دنیا فانی سے منہ موڑ کر راہیِ آخرت ہوگئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطٰی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

حضرتؒ کی پیدائش ۱۹۴۶ء میں خان پور کے قریب چک نمبر: ۶۶ سہجہ میں ہوئی۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن کی ابتداء جامعہ مخزن العلوم خان پور سے کی، تعلیمی سلسلہ موقوف ہوجانے کے بعد اپنے علاقے میں ایک تبلیغی جماعت کی آمد کی وجہ سے تبلیغ میں نکلنے کا ارادہ فرمایا۔ اسی دوران آپؒ کے دل میں دینی علوم حاصل کرنے کا پختہ داعیہ پیدا ہوا۔

آپ نے جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں داخلہ لیا، وہاں صرف ونحو بلاغت واصولِ فقہ کی اہم کتابیں پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لیے جامعہ مخزن العلوم خان پور تشریف لے گئے، وہاں حدیث کی بڑی کتب مختلف اکابر اساتذہ سے پڑھیں، بخاری اول شیخ الحدیث حضرت مولانا شفیق الرحمٰن درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور بخاری ثانی حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ علیہ سے پڑھی۔ ردِ قادیانیت پر علم مناظرہ، مشہور مناظر مولانا محمد حیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔

فراغت کے بعد خان پور شہر ہی میں ''بلال مسجد'' میں شعبہ حفظ کی درس گاہ میں خدمات انجام دیں، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیض کو سارے عالم میں پہنچانا تھا، چنانچہ کچھ ہی عرصے بعد رائے ونڈ مرکز تشریف لے آئے اور مدرس مقرر ہوئے، اسی دوران رائے ونڈ مرکز کے امام مولانا حافظ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے، حضرت مولانا سعید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر آپ کو نائب امام مقرر کردیا گیا، پھر کچھ عرصہ بعد آپ کی حسن تلاوت کے سبب مستقل امام مقرر کردیا گیا، چنانچہ ۱۹۹۴ء سے وفات سے کچھ عرصہ قبل تک خود ہی مسجد میں امامت کراتے رہے۔

۱۹۹۹ء میں مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں دورہ حدیث کی ابتدا ہوئی تو آپ کو مؤطا امام مالکؒ ومؤطا امام محمدؒ کے اسباق ملے۔

آپؒ نے ابتدا میں اصلاحی تعلق شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مفتی رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کیا، اُن کی رحلت کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم کیا اور بیعت بھی کی۔

کچھ عرصے سے کافی علیل تھے اور وفات سے تین دن قبل لاہور کے ایک ہسپتال میں ڈاکٹروں نے بیماری کے علاج میں جواب دے دیا، بالآخر عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا اور آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

وفات سے اگلے روز منگل کو بعد نمازِ ظہر رائے ونڈ اجتماع کے پنڈال میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور آپ کو حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپردِ خاک کردیا گیا، **رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ و نور اللّٰہ مرقدہٗ و برد اللّٰہ مضجعہٗ .**

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے اہلِ خانہ، تمام متعلقین ومتوسلین وتلامذہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اُمت کو ان صالحین کا نعم البدل عطا فرمائے، اور ہم سب کو اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وصلّی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

سرکاری زمین پر پرانی مساجد کا شرعی حکم!

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

۱۵ سال سے ایک زمین پر مسجد بنی ہوئی تھی، ۱۵ سال کے بعد زید نے اس کی مرمت کا ارادہ کیا اور وہ چاہتا ہے کہ اس میں باقاعدہ نمازِ جمعہ قائم کی جائے۔ لیکن ایک آدمی نے اس کو کہا کہ: یہ تو مسجد نہیں، یہ زمین ریلوے کی ملکیت ہے، ریلوے والوں نے مسجد کے لیے نہیں دی، لہٰذا آپ کی نماز اس مسجد میں نہیں ہوتی۔ اس پر زید نے تحقیق شروع کی، ریلوے افسروں سے بھی رابطہ ہوا، وہ کہتے ہیں کہ: یہ زمین ریلوے کی ہے، کسی کو کسی تعمیر وغیرہ کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ یہ زمین مسجد کے لیے وقف ہوئی۔

واضح رہے کہ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ زمین ریلوے کی ملکیت ہے، لیکن ۱۵ سال سے حکومت نے اس مسجد کے بارے میں نہ پہلے کچھ کہا اور نہ اب کہتے ہیں اور اس مسجد کے قریب جو تعمیرات تھیں وہ ساری حکومت نے مسمار کردیں، مگر اس مسجد کو چھوڑ دیا۔ یہ مسجد کوئٹہ کی مرکزی ہسپتال (بی ایم سی) کے سامنے عمومی سڑک پر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حکومت کا مسجد کو چھوڑ دینا دلالۃً اجازت نہیں؟ اور اگر یہ اجازت نہیں تو اَب سرکاری اداروں میں سے کونسے ادارہ سے اجازت لینا شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر اس ادارہ نے اجازت نہیں دی تو پھر یہ مسجد‘ شرعی مسجد ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو ہماری سابقہ اور آئندہ نمازوں کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد ابراہیم **فتویٰ نمبر:** ۸۷۴۸

تاریخ آمد: ۱۰-۱۱-۱۴۳۷ھ **تاریخ واپسی:** ۲۶-۱۱-۱۴۳۷ھ

الجواب ومنه الصدق والصواب

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ مسجد شرعی مسجد ہے اور اس کا مسجد ہونا چند وجوہ سے ظاہر ہے:

۱:......۱۵ سال سے اس مسجد کے قیام پر حکومت کا کوئی اعتراض نہ کرنا۔

۲:......مسجد کے قریب تعمیرات منہدم کرکے مسجد کو چھوڑنا۔

۳:......ایک مرتبہ مسجد بننے کے بعد اب ہمیشہ کے لیے وہ مسجد رہے گی اور کسی کو اس کے توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

البتہ مذکورہ مسجد میں مزید توسیع کے لیے متعلقہ محکمہ کی اجازت ضروری ہے، ان کی اجازت کے بغیر مزید توسیع درست نہیں۔ البحر الرائق میں ہے:

''أشار بإطلاق قولہٖ ویأذن للناس فی الصلاۃ أنہ لایشترط أن یقول: أذنت فیہ بالصلاۃ جماعۃ أبدًا، بل الإطلاق کاف ...... وقد رأینا ببخاریٰ وغیرھا فی دور وسکک فی أزقۃ غیر نافذۃ من غیر شک الأئمۃ والعوام فی کونھا مساجد ...... بنی فی فنائہٖ فی الرُّستاق دکانا لأجل الصلاۃ یصلون فیہ بجماعۃ کل وقت، فلہ حکم المسجد ...... الخ۔''

(البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی احکام المساجد، ج:۵، ص:۲۴۱-۲۵۰، ط: رشیدیہ)

فتاویٰ شامی میں ہے:

''(ولوخرب ما حولہٗ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الإمام والثانی) أبدا إلٰی قیام الساعۃ (وبہٖ یفتی) حاوي القدسي۔''

(فتاویٰ شامی، کتاب الوقف، مطلب فی وجوب المسجد اوغیرہ، ج:۴، ص:۳۵۸، ط: سعید)

۲:-''وإن بنی للمسلمین کمسجد ونحوہ ... لاینقض۔'' (فتاویٰ شامی، ج:۶، ص:۵۹۳، ط: سعید)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد انعام الحق	شعیب عالم	شیر غنی
		متخصص فقہ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۶-۱۱-۱۴۳۷ھ

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نَقدُ وَنَظَر

ادارہ

اسلامی تصوف، میڈیکل سائنس اور نفسیات

ڈاکٹر فدا محمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ۔ صفحات: ۱۰۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ادارہ اشرفیہ عزیزیہ، کوہاٹ۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ خیبر میڈیکل کالج کے گریجویٹ اور اس کے مدرس ہیں۔ اپنی تعلیمی زندگی میں حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمہ اللہ صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی سے بیعت کی سعادت حاصل کی اور اب ان کے جانشین ہیں۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب ''اسلامی تصوف، میڈیکل سائنس اور نفسیات'' ایک نئی کاوش ہے۔ اس میں موصوف نے روح، قلب، نفس اور حبِ مال و جاہ کو طبی، سائنسی اور صوفیانہ انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ نئی نسل کی عفت و پاکبازی اور اصلاح و تزکیہ کے لیے بہت عمدہ اور مفید کتاب ہے۔ بریگیڈیر حضرت مولانا قاری فیوض الرحمٰن مدظلہٗ کے بقول:

> ''یہ کتاب اگرچہ ہر عمر کے حضرات کے لیے پڑھنا ضروری ہے، مگر وہ طلبہ و طالبات جو مخلوط ذریعۂ تعلیم سے وابستہ ہیں، ان کے لیے تو بہت ہی اکسیر ہے۔ کتاب معلوماتی اور دلچسپ ہے، جگہ جگہ نہایت مناسب اور عمدہ مثالوں سے متعلقہ مضمون کی مؤثر تشریح کی گئی ہے۔''

کلیاتِ انوری (رسائل وتصنیفات حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمہ اللہ)

ترتیب وحواشی: صاحبزادہ راشد انوری نبیرہ حضرت مولانا محمد انوری رحمہ اللہ وابوحذیفہ عمران فاروق صاحب۔ صفحات: ۶۲۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتا: صاحبزادہ محمد راشد انوری، بلال انٹرپرائزز، ۱-ایس، جامع مسجد ناظم آباد نمبر:۲، کراچی۔

اس کتاب میں حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل رسائل: ''سیرتِ خاتم الانبیاء''، ''العجالہ (داڑھی کے متعلق شرعی مسئلہ)''، ''احادیث الحبیب المتبرکہ''، ''متبرکہ چہل حدیث''، ''اربعین (حنفی مسلک کی احادیث)''''، ''الصلوۃ یعنی نماز مترجم''، ''فضائل مکہ مکرمہ''، ''ملفوظات حضرت رائے پوریؒ''، ''مکتوباتِ بزرگان''، ''میری پہلی حاضری'' جیسے دس رسائل کو نئی کمپوزنگ، عمدہ طباعت اور اعلیٰ کاغذ پر شائع کیا گیا ہے، گویا ان رسائل کو نئی زندگی اور نئی رہنمائی عطا کی گئی ہے۔ امید ہے کہ مرتب کی اس کاوش کی قدر افزائی کی جائے گی۔

تاریخِ طب عہد بہ عہد

ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب (تمغۂ امتیاز)۔ صفحات: ۱۷۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: اشرف اکادمی، شارع اشرف، ۶ کلومیٹر، سرگودھا روڈ، فیصل آباد۔

حکیم زاہد اشرف صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف کا بہت عمدہ ذوق عطا فرمایا ہے، جنہوں نے قانون پر پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔ ''**القانون فی الطب لابن سینا دراسة وتحلیل** '' کے نام سے عربی مقالہ تحریر کیا تھا۔

زیرتبصرہ کتاب اردو میں اس کا ترجمہ ہے، جو پہلے ان کے رسالہ ''ماہنامہ صحت'' فیصل آباد میں چھپتا رہا ہے۔ اس کتاب کو انہوں نے آغازِ طب، طب اور اس کی شاخیں مختلف ادوار میں، طب عربی و اسلامی، بعثتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے عصر حاضر تک، عربی و اسلامی ادوار میں طبی کارہائے نمایاں جیسے عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔ طب سے تعلق رکھنے والے اور کتب کا ذوقِ مطالعہ رکھنے والے حضرات کے لیے یہ عمدہ سوغات ہے۔

دعائے محرومی

ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب (تمغۂ امتیاز)۔ صفحات: ۱۷۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ المنیر، زیرانتظام: عبدالرحیم اشرف ٹرسٹ، جامعہ اسٹریٹ بالمقابل ستارہ ٹیکسٹائل ملز، سرگودھا روڈ، فیصل آباد۔

بندہ کو دعا کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آداب، طریقہ، شرائط اور کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ اور یہ فرمایا ہے کہ دعا کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ خوش اور دعا نہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ مؤلف نے اپنی تحریر کردہ ادعیہ کو جو مختلف اوقات میں مختلف مضامین میں شائع کی جاتی رہیں اس رسالہ میں ان سب کو یکجا کر دیا ہے، تاکہ قارئین کو سب دعائیں یکجا مل سکیں۔

سہ ماہی ’’الزیتون‘‘ کی خصوصی اشاعت: ’’شرح صحیح مسلم‘‘

باہتمام ونگرانی: شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ۔ ضبط وترتیب: مولانا محمد قاسم حقانی۔صفحات: ۴۲۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ۔

زیرِتبصرہ کتاب میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم کی تحقیق وتصنیف ’’شرح صحیح مسلم‘‘ پر ملک وبیرونِ ملک کے علماء کرام، مشائخ، محدثین، اربابِ علم وفضل، اُدباء، دانشور اور اہلِ نقد ونظر کے آراء وافکار، تبصرے، تجزیئے، مفصل جائزے اور تأثرات کو جمع کیا گیا ہے۔ حضرت کی تازہ تالیف ’’شرح صحیح مسلم‘‘ کے تعارف کے بارہ میں گویا یہ ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مؤلف، مرتب، ناشر اور جملہ معاونین کی اس جہدِ بلیغ کو قبول فرمائے۔ آمین!

فیضانِ حقانی

مولانا محمود الرشید حدوٹی۔صفحات: ۱۶۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ، کے پی کے۔

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی زیدمجدہٗ جہاں اُردو ادب کے بہت بڑے ادیب ہیں، وہاں کتبِ کثیرہ کے مؤلف بھی ہیں۔ آپ کے فیضِ قلم سے درجنوں کتب وجود میں آچکی ہیں۔ اسی طرح مولانا محمود الرشید حدوٹی بھی صاحبِ قلم، ادبی شخصیت ہیں، ان کے قلم سے سترہ سالوں میں القاسم اکیڈمی سے شائع ہونے والی ۱۰۵ کتب پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ زیرِتبصرہ کتاب ’’فیضانِ حقانی‘‘ میں ان سب کو جمع کردیا ہے۔ ان تبصرہ شدہ کتب کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے قائم کی گئی ہے اور ان تبصروں کے لیے یا تبصروں پر شکریہ کے خطوط جو آپ کو لکھے گئے ان کو بھی اس کتاب میں شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ اب یہ کتاب گویا القاسم اکیڈمی سے شائع شدہ کتب کی مختصر اور متحرک لائبریری بن چکی ہے۔ اُمید ہے باذوق حضرات اس کتاب کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

مسنون لباس

مولانا حافظ لیاقت علی شاہ نقشبندی غفوری۔صفحات: ۴۶۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ غفوریہ، نزد جامعہ اسلامیہ درویشیہ، بی بلاک، سندھی مسلم سوسائٹی۔

ایک مسلمان کے لیے ہر چیز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر شفقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدائش سے موت تک تمام معاملات کی راہنمائی اپنے قول، عمل اور تقریر سے کردی ہے، جس کو سنت کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنتوں میں سے ایک سنت لباس میں بھی ہے، ایک اُمتی کا لباس کیا ہونا چاہیے؟! اس بارہ میں زیرِ تبصرہ کتاب: ''مسنون لباس'' گویا لباس کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، جیسا کہ اس کے ابواب سے اندازہ ہوتا ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کو ۹ ر ابواب پر تقسیم کیا ہے:

بابِ اول: لباس قرآن مجید کی روشنی میں۔
بابِ دوم: لباس احادیث مبارکہ کی روشنی میں۔
بابِ سوم: اقسام لباس۔
بابِ چہارم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ پسندیدہ لباس۔
بابِ پنجم: کپڑا پہننے کے آداب اور دعائیں۔
بابِ ششم: ٹوپی شریعت مطہرہ کی روشنی میں۔
بابِ ہفتم: عمامہ (پگڑی) شریعت کی روشنی میں۔
بابِ ہشتم: دورحاضر کے لباس کے متعلق بعض اہم فتاویٰ۔
بابِ نہم: چند فقہی مسائل۔

کتاب کی کمپوزنگ اور طباعت عمدہ ہے، لیکن کاغذ اور جلد اس معیار کی نہیں۔ کتاب اس لائق ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت اس کتاب کو سامنے رکھ کر اپنے لباس کا جائزہ لے کر اُسے درست کرسکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مؤلف اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے اور قارئین کو اس سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....